

فقہی اصول و ضوابط کا نادر مجموعہ

مُسَمَّی، بِاسْمِ تَارِیخِی

الاصول الفقہی من افادات الرضوی

۲۰۶۰۲

کتاب نمبر: _____
ذخیرہ کتب
میشم عباس قادری رضوی

القلم

(مولانا مفتی) عبدالواحد قادری
(امین شریعت، بہار انڈیا)

نام کتاب :- الاصل الفقہی من افادات الرضوی (فتویٰ نویسی کے رہنما اصول)
 مرتب و مولف :- حضرت مولانا مفتی عبد الواحد قادری (مفتی اعظم نیدرلینڈ)
 تکمیل آرزو :- مولانا عبد الغفار صاحب نورانی سکریٹری مجلس علماء نیدرلینڈ
 باہتمام :- عباس علی واجہی قادری سکریٹری انجمن القرآن ہالینڈ
 ناشر :- S القرآن (اسلامک فونڈیشن نیدرلینڈ یورپ)
 کتابت :- محمد ادیس رحمانی دہلی

پریس :-

تعداد اشاعت :- گیارہ سو = ۱۱۰۰

سول ایجنٹ :- مکتبہ جام نور، ٹیٹا محل ۲۲۲ جامع مسجد دہلی ۶ انڈیا

قیمت :- دس روپے = ۱۵

ملنے کے دیگر پتے

۱۔ القرآن - پوسٹ بکس ۱۲۱۷۸ پوسٹ کوڈ AD ۱۱۰۰ آسٹرڈام، ہالینڈ

۲۔ مجلس علماء نیدرلینڈ - پوسٹ بکس ۳۸۰۲ پوسٹ کوڈ AH ۲۵۰۷ دی ہیگ، نیدرلینڈ

۳۔ مکتبہ رحمانیہ - رضانگر (سوداگران) بریٹی ۲۲۳۰۰۳ یوپی - انڈیا

۴۔ خالد رضا قادری، قادری منزل، محلہ قلعہ گھاٹ، درہنگہ ۸۴۶۰۰۴ بہار - انڈیا

بَیِّنَاتُ الْحُجَّةِ الْمُبِيِّنَةِ

ابتداءً میں نے چاہا تھا کہ متعلق سوال کا مختصر جواب لکھ دوں۔ لیکن جواب لکھنے سے پہلے میں نے فتاویٰ رضویہ شریف کا مطالعہ ضروری سمجھا پھر اس بحرِ ذخار کی مختصر غواصی نے قواعد و اصول فقہیہ کے لوگوں والہ آبدار کا انبار لگا دیا کہ اگر میں ان سب کو جمع کروں تو یقیناً ایک ضخیم و نادر کتاب کا کتبِ اصول میں اضافہ ہو جائے لیکن میں نے ان میں سے بعض ہی لوگوں و مرجان کو یہاں جمع کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ قاری یکملہ بارِ مطالعہ نہ بنے اور بغیر ملول خاطر کے ان کی معلومات میں مزید اضافہ ہو جائے۔ پھر بھی اگر کوئی باذوق طالب الافکار مزید قواعد فقہیہ اور اصول افتاء سے سرفراز ہونا چاہے تو فتاویٰ رضویہ کی بیسیوں ضخیم جلدیں بازارِ کتب میں دستیاب ہیں اس کے علاوہ دیگر کتبِ اصول (جس کی نشاندہی پہلے کی جاکچکی ہے) کا بالاستیعاب مطالعہ کرے اور اپنے کشکول طلب کو بھرے۔

چونکہ اس جواب نے بڑھتے بڑھتے ایک رسالہ کی شکل اختیار کر لی اس لئے میں نے مضمون کی رعایت کرتے ہوئے اس کا تازہ نئی نام ”الاصول الفقہی من افادۃ الرضوی“ رکھ دیا۔ پھر متعدد اداروں میں افتاء و قضاء کی تربیت پانے والے حضرات علماء کرام کا اصرار ہوا کہ اس رسالہ کو چھپوا دیا جائے تاکہ عام شائقین و طالبینِ افتاء اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

لہذا اب میں اُس کی سن طباعت کی رعایت کرتے ہوئے مختصر مگر مفید تغیر کے ساتھ تازہ نئی نام ”الاصول الفقہی من افادات الرضوی“ تجویز کرتا ہوں اور ناظرین سے دعا ہے و اصلاح کا طالب ہوں۔ ایک ناچیز طالعلم

عَبْدُ الْوَاحِدِ قَادری غفرلہ خادم القضاہ والافتاء

مجلس علماء جامعہ مدینۃ الاسلام، اسلامک فونڈیشن، نیدرلینڈز (یورپ)

بخدمت اقدس حضرت مفتی اعظم ہالینڈ! زَادَ اللّٰهُ اَطْفَاكُمُ وَمَكَارِمَكُمُ.

آپ کو معلوم ہے کہ نیدرلینڈ میں مقیم علماء دین پر مشتمل ایک دینی تنظیم بنام ”مجلس علماء نیدرلینڈ“ عمل میں آچکی ہے۔ قانون ملکی کے مطابق جس کا رجسٹریشن بھی ہو چکا ہے۔

تنظیم مذکور کے شعبوں میں دو اہم ترین شعبے دارالقضائر اور دارالافتاء ہیں۔ فی الحال یہ دونوں شعبے تنظیم کے مرکزی دفتر ”دی ہیگ“ میں آپ ہی کے زیر رہنمائی چل رہے ہیں۔

لیکن مجلس علماء نیدرلینڈ نے یہ طے کیا ہے کہ قریبی دنوں میں اس کی ذیلی شاخیں ملک بھر کے بڑے بڑے شہروں میں مسلمانوں کی سہولت و آسانی کیلئے قائم کی جائیں۔

لہذا مجلس علماء یہ چاہتی ہے کہ حضور والا نہایت اختصار و جامعیت کیساتھ مفتی وقاضی کی تعریف و اہلیت اور ذمہ داری نیر دارالافتاء و دارالقضائر کے اصول و ضوابط کو اصول فقہ اور رسم المفتی کے پیش نظر مرتب فرمادیں جو یہاں قائم ہونے والے دارالافتاء اور دارالقضائر کے واسطے رہنما اصول آسانی کا ذریعہ اور لائحہ عمل ہو۔ نیز انہی اصول و ضوابط کے مطابق حضرات مفتیان کرام، قضاة عظام کا نصب و عزل ہو۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے نواز کر مجلس علماء نیدرلینڈ کو شکریہ کا موقع دیں گے۔

سائل

(مولانا) عبدالغفار نورانی

سکرٹری جنرل: مجلس علماء، نیدرلینڈ

دُعَا

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ
الْأَنْبِيَاءِ وَآلِهِ وَارِثِيهِ وَوَحْيِهِ وَحُزْنِهِ أَجْمَعِينَ۔
يَا إِلَهَ الْعَالَمِينَ! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا، صراطِ مستقیم کی تبلیغ و اشاعت
کی توفیق دے، صراطِ مستقیم ہی پر موت عطا فرما اور صراطِ مستقیم والوں کے
ساتھ حشر فرما۔ آمین

يَا سَابَّ الْعَالَمِينَ! اپنے فضل بے نہایت سے ہمیں دینِ مستین کی
کامل سمجھ عطا فرما۔ اوامر دینیہ کو بجالانے اور منہیاتِ شرعیہ سے مجتنب
رہنے کی توفیق دے۔ آمین

خداوند! اپنے ان مخلص بندوں کی پیروی کی توفیق دے جنہوں نے
صرف تیری رضا و خوشنودی کے لئے زندگی بھر شریعتِ اسلامیہ کی بے لوث
خدمت انجام دی اور مسائلِ دینیہ صحیحہ رجحان تک رسائی کے لئے ایسے ایسے
قواعد و اصولِ فقہیہ کی تدوین فرمائی کہ اس کی پیروی کے بعد بھٹکنے کا کھٹکا
نہ رہا۔ خداوند! انہیں اصول و قواعدِ فقہیہ کی پیروی کی توفیق دے، اور
مطلق العنانی سے بچا۔ آمین

اے میرے مالک و مولیٰ! مجھے اپنی علمی تہی دامن کا اقرار ہے لیکن تو
ستار و غفار ہے مجھے توفیق دے کہ میں علوم و فنونِ شرعیہ جاننے والوں کے
سامنے زانوائے ادب تہ کر سکوں اور تیرے حکم کے مطابق ”فَسَاءَ لَوْ أَهْلَ
الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ ان سے علومِ دینیہ اور مسائلِ شرعیہ

کو سیکھ سکوں۔ آمین

کارسازا! بندہ نوازا!! تو نے محض اپنے فضل سے فقیر بے نوا کے ذریعہ
 دین کی جو خدمتیں لی ہیں انہیں اپنے کرم سے قبول بھی فرما لے اور مزید خدمت
 کی توفیق عنایت فرما۔ خدمتِ دین کے سلسلہ میں جو بھی کوتاہیاں غلطیاں
 سہو و نسیان، عہد یا سہو واقع ہوئے ہوں اپنے مقبول بندوں کے طفیل
 انہیں معاف فرما دے کہ تو معاف فرمانے والا ہے اور معافی کو پسند
 فرماتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تَحِبُّ الْعَفْوَ فَاَعْفُ عَنِّي يَا عَفُوُّ
 بِبَرَكَۃِ النَّبِيِّ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ صَلَّی اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ
 وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۞



فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۹	مفتی	۱
۹	مفتی کی جامع تعریف	۲
۱۰	موجودہ دور اور کارافتار	۳
۱۲	فقیہہ یا را سخ العلم	۴
۱۲	فقہ کی تعریف	۵
۱۳	فقیہہ اور را سخ العلم میں فرق	۶
۱۴	فقہ کی کچھ اور تعریف	۷
۱۵	مفتی و فقیہہ کی خصوصیت	۸
۱۶	مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے	۹
۱۷	واجب الحفظ	۱۰
۱۸	مفتی اپنے مذہب کے کب عدول کر سکتا ہے	۱۱
۱۸	مفتی اور عرف و عادت وغیرہا	۱۲
۱۹	عرف و عادت کی تعریف	۱۳
۲۰	عرف کی قسمیں	۱۴
۲۰	عرف کی اہمیت	۱۵
۲۲	عدول عن المذہب کی کچھ اور شرطیں	۱۶
۲۲	اسباب ستہ	۱۷
۲۲	ضرورت کی تعریف	۱۸

۲۶	ضرورت کی وجہ سے آسانی کی راہیں	۱۹
۲۷	ضروری تنبیہ	۲۰
۲۸	ضرورت و حاجت کی مزید توضیح	۲۱
۲۹	ضرورت و حاجت کے ساتھ رخصت کی تعریف و تحدید بھی ضروری ہے	۲۲
۳۰	رخصت	۲۳
۳۱	بعض اصول کلیہ معہ امثال	۲۴
۳۲	طبقات مسائل	۲۵
۳۳	بعض ضروری وضاحت	۲۶
۵۰	اصول فقہ کے بعض قواعد مشہورہ کی نشاندہی	۲۷
۵۱	بعض مضامین اصول	۲۸
۵۲	فتاویٰ رضویہ کے بعض اصول فقہیہ	۲۹
۵۳	ضروری معلومات	۳۰
۵۴	التمیز فی الافتاء	۳۱
۵۵	بعض دیگر فوائد فقہیہ	۳۲
۵۶	افادات الفقہاء للافتاء والقضاء	۳۳
۵۷	ظن، علم - امر شرعی	۳۴
۵۸	فتویٰ - قول - سنت و واجب	۳۵
۵۹	اسارت - ترتیب منکر - کفر	۳۶
۶۰	حاکم شرع، قاضی اور مفتی	۳۷
۶۱	اصول متفرقہ	۳۸

مُبَسَّطًا وَحَامِدًا أَوْ مُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا

الْجَوَابُ بِعَوْنِ الْحَبِيبِ الْوَهَّابِ وَهُوَ الْهَادِي إِلَى الصَّوَابِ :

مفتی

مفتی دین حق کا باضابطہ نمائندہ، مذہبِ اہلسنت کا محافظ اور۔۔۔
مسلم سلف صالحین کا ترجمان ہوتا ہے۔ لہذا اسے علوم دینیہ کا تاجدار،
اطاعت گزار و تقویٰ شعار، اعمالِ صالحہ کا شہسوار اور اخلاص و اخلاق
محمدی کا آئینہ دار ہونا چاہئے۔

مفتی کی جامع تعریف

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے مفتی کے لئے اس کے علوم و
اوصاف کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ”تفسیر و حدیث، اصول و ادب
ہیات و ہندسہ، توقیت (بقدر حاجت) کتب فقہیہ کا کثیر مشغلہ، اشغال
دنیویہ سے یک گوشہ فراغ، قلب اور توجہ الی اللہ، نیت، لوجہ اللہ اور
ساتھ ہی ساتھ توفیق من اللہ۔ اور مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس
کی خطا پر غالب ہو۔ اور جب خطا واقع ہو تو رجوع سے عار نہ کرے، جو
ان شرائط کا جامع ہو اور اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہو وہ مفتی
ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

فقہاء اصولیین کے نزدیک مفتی کے اندر بصیرت اجتہاد کا پایا جانا بھی ضروری ہے اس لئے ان کے نزدیک کسی غیر مجتہد کا فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مفتی کا اجتہاد اجتہاد جلی یا اجتہاد مستقل ہو کیونکہ یہ اجتہاد تو ائمہ مجتہدین کے ساتھ خاص ہے جس کی نظیر صدیوں قبل سے دیکھنے میں نہیں آ رہی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل حفظ ہے کہ اجتہاد (جلی یا مستقل) کوئی نبوت نہیں کہ جس کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا ہو اور اس کا کھلنا ناممکن و محال ہو۔ لیکن تجربہ شاہد ہے کہ اس کا صحیح اہل ایک مدت سے کوئی نظر نہیں آتا ہے (شیعوں کے یہاں مجتہدین عصر کی برسات یا نوروزی کاشت کے خود رجحانات شرعاً کچھ بھی قابل التفات نہیں ہیں) بالفرض اگر کوئی اس کی اہلیت کا مدعی ہو تو اسے دلائل کی کسوٹی پر جانچنا ضروری ہے تاکہ حقیقت و اشکاف ہو جائے اور اس کے اجتہاد کی قلعی کھل جائے مثلاً زمانہ موجودہ کے شتر بے مہار جو تقلیدِ رائمہ کو ناجائز و حرام کہتے ہیں یا جو مغربی تہذیب و افکار کے شرکار ہو چکے ہیں ان کے سامنے مسائلِ محدثہ میں سے صرف تنویر یا پچائش ایسے مسائل پیش کئے جائیں جس کی نظیر قیاسِ ائمہ مجتہدین میں نہ ہو اور پھر ان کے جوابات دلائل و براہین شرعیہ کے ساتھ طلب کئے جائیں تو ان مدعیانِ قیاس کو اپنے قیاس کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے گی اور ماننا پڑے گا کہ قیاس شرعی تک رسائی آسان نہیں ہے۔

موجودہ دور اور کارِ افتار

موجودہ زمانہ میں علومِ اسلامیہ سے بے اعتنائی، فیکری انحطاط

اصابت رائے کی کمی اور اثبات ہوا و ہوس کے بڑھتے ہوئے رجحانات و حالات میں علماء اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی مجتہد کی رائے باوثوق ذرائع (کتب متون و شرح و فتاویٰ) سے مل جائے تو اس رائے پر فتویٰ دینا جائز ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ص ۲۴)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فی زمانہ حقیقی مفتی شرع نایاب و کمیاب ہیں اور عام طور پر جنہیں مفتی یا قاضی کہا جاتا ہے دراصل وہ ناقل ہیں۔ اور ان کے فتاوے حضرات مجتہدین کرام کے اقوال و آراء کے نقول یا ماسبق فتاویٰ کا چرہ ہے۔

کتاب و سنت میں جنہیں فقیہہ (مفتی) فرمایا گیا ہے اس کا معنی و مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع و اہم ہے جس قدر ہم سمجھتے ہیں۔ اور اس معنی و مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ دور کے مفتی و قاضی کو ناقل کے لفظ سے تعبیر کرنا نسب ہے۔

ہاں اگر اس صحیح و بر محل لفظ کی تعبیر و استعمال سے کوئی ناقل اپنی ہتک محسوس کرتا ہو یا اس لفظ کے مفہوم کو اصطلاح عوام نے پُر مذاق بنا دیا ہو تو حضرات ناقلین کو عرفاً مفتی و قاضی کہنے میں بھی چنداں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا ہے جیسے زمانہ سلف میں متبحر علماء کرام اور نابغہ روزگار علمی شخصیتوں کو ملامولوی یا میاں نجی کہا جاتا تھا لیکن زمانہ حال میں اصطلاح عوام نے ان القابات کو پُر مذاق بنا دیا ہے تو اب علوم و دینیہ کے فارغ التحصیل حضرات کو بجائے ملام یا میاں نجی کے مولانا، علامہ یا سیدنا کہنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ تقاضائے ادب بھی یہی ہے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں :

”الفتویٰ حقیقیۃ و عُرفیۃ فالحقیقۃ هو الافتاء عن معرفۃ الدلیل التفصیلی واولئک الذین یقال لہم اصحاب الفتویٰ الخ والعرفیۃ اخبار العالم باقوال الامام جاهلاً عنہا تقلیداً لہ من دون تلك المعرفة الخ (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۱۱)

فقیہہ یار اسخ العلم

قرآن کریم میں دو مقامات پر راسخ العلم اور بیس مقامات پر لفظ فقیہہ یا اس سے مشتق الفاظ کا استعمال ہوا ہے جن سے ان دونوں لفظوں کے لغوی و شرعی معنوں اور مفہوموں کی وضاحت ہوتی ہے۔ (المفہرس لالفاظ القرآن) اور احادیث نبویہ میں بھی کثیر مقامات پر فقہ، تفقہ، اور راسخ العلم کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً فُقیہٌ واحدٌ اشدُّ علی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ۔ (رواہ الترمذی)

اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَاَنْ رَجُلًا يَأْتُواكَ كُمْ مِنْ اَفْطَارِ الْاَسْرَاضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّیْنِ (رواہ الترمذی) مَنْ یُرِدِ اللّٰهُ بِہٖ خَیْرًا یَفْقَہْہُ فِی الدِّیْنِ (بخاری و مسلم) وغیرہما

فقہ کی تعریف

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں فقہاء کرام نے فقہ کی جو تعریفیں کی ہیں ان سے فقیہہ کی حیثیت و پہچان بھی واضح ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف عملی احکام کے جاننے والوں کو فقیہہ یا راسخ العلم نہیں کہا جاتا بلکہ انتہائی علمی کاوش اور علوم دینیہ شرعیہ کی معلومات و مہارت

کے بعد جو علمی بصیرت، حکیمانہ بالغ نظری، جلالِ فکری اور احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے اسی کو تفقہ فی الدین کہتے ہیں۔ چنانچہ امام الائمہ کاشف الغمّ سراج الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے ”مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالِهَا وَمَا عَلَيْهَا“ کہ ایسی حقیقی معرفت جس کے ذریعہ انسان اپنے فائدے اور نقصان کو معلوم کر سکے فقہ ہے۔ فقہ کی اس مختصر مگر جامع تعریف میں امام اعظم علیہ الرحمہ نے تفقہ فی الدین کے اُس مفہوم کو ملحوظ رکھا ہے جس کا ذکر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں آیا

فقیہہ اور راسخ العلم میں فرق

واضح ہو کہ مذکورہ دونوں علمی و اخلاقی صفاتِ جلیلہ دینیہ کے درمیان صرف جوہرِ اخلاق کا غلبہ یا عدم غلبہ ہے یعنی اگر شرعی علوم کی مہارت اور حکیمانہ فکر و نظر غالب ہے تو وہ فقیہہ ہے۔ اور اگر علمی و فکری مہارت پر اخلاقی خوبیاں غالب ہیں تو وہ راسخ العلم ہے۔ جیسا کہ طبرانی شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے: ”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ عَنِ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ فَقَالَ مَنْ بَرَّتْ يَمِينُهُ وَصَدَقَ لِسَانُهُ وَاسْتَقَامَ قَلْبُهُ وَمَنْ عَطَفَ بَطْنُهُ وَفَرَجَهُ فَذَلِكَ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ“ (جو اپنی قسم اور قول و قرار کے پختہ ہوں، زبان کے سچے اور دل کے صاف ہوں نیز اس کی روزی حلال اور وہ پاکدامن ہوں تو وہ راسخ العلم ہیں)۔ اور جو شخص ان دونوں اوصافِ دینیہ کا جامع ہو وہ حقیقتاً مفتی یا فقیہہ ہے۔

فقہ کی کچھ اور تعریف

عمدة المتأخرین حضرت علامۃ الفقہامہ ابن عابدین شامی صاحب رد المحتار علیہ الرحمہ فقہ کی تعریف یوں فرماتے ہیں ”العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلۃ التفصیلۃ“ کہ شرعی معمولات کے احکام کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننا فقہ ہے۔

البحر الرائق نے فقہ کی تعریف میں بعض فقہاء کی یہ قید بھی بڑھائی ہے ”المکتسبۃ من ادلتها التفصیلۃ بالاستدلال“ یعنی شریعت کے علی احکام کو ان کے مآخذ اور تفصیلی دلائل کے ذریعہ جاننے کا نام فقہ ہے اور وہ تفصیلی دلائل بذریعہ استدلال حاصل ہوں۔ شوافع کے یہاں فقہ کی یہ تعریف تقریباً مسلم ہے۔ ”الفقہ

مخصوص بالعلم الحاصل بجملة من الاحکام الشرعیۃ بالنظر والاستدلال“ کہ فقہ وہ مخصوص علم ہے جس کے ذریعہ بصیرت و دلیل کے ساتھ تمام احکام شریعت کا علم ہو جائے اور فقیہ وہ ہے جو اس کا حامل ہو۔

جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا کہ مفتی و فقیہ کے اندر یک گونہ اجتہادی بصیرت کا پایا جانا بھی ضروری ہے اس کے تعلق سے البحر الرائق جلد اول ہی میں ہے ”فلیس الفقیہ الا المجتہد عندہم واطلاقہ علی المقلد الحافظ المسائل مجازاً“ کہ مجتہد ہی اصل میں فقیہ (مفتی) ہوتا ہے اور غیر مجتہد پیر اگرچہ وہ مسائل شرعیہ کا حافظ ہو فقیہ کا اطلاق صرف مجازاً ہے۔

مفتی میں قوتِ علمی کے ساتھ ساتھ بصیرتِ اجتہاد کا ہونا بایں معنی ضروری ہے کہ وہ مسائلِ محدثہ میں اپنی بصیرتِ اجتہاد اور قوتِ علمیہ فقہیہ سے کوئی ایسی رائے قائم کر سکے جس کا ثوابِ خطا پر غالب ہو، محض فقہی جزئیات و مسائل کے حافظ و عالم کو مجازاً تو مفتی و فقیہہ کہا جاسکتا ہے لیکن وہ علماءِ اصولیین کی نظر میں مفتی نہیں ہوگا۔

مفتی و فقیہہ کی خصوصیت

فقہ کی مذکورہ بالا تعریفوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مفتی و فقیہہ یا قاضی شریعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مقاصدِ شرع اور مسائلِ جدیدہ محدثہ کے بارے میں ان علوم و معارف سے واقف ہو جو اس کو پیش آمدہ صورت کا حکم مستنبط کرنے کے قابل بناسکیں۔ یعنی وہ اس مسئلہ کے بارے میں کتاب و سنت اور اجماع پر نظر رکھتا ہو نیز قیاس شرعی کے طریقے اور اصول سے واقف ہو۔

پھر وہ مسئلہ محدثہ جس شعبہ زندگی سے متعلق ہو اس کی معلومات اسے حاصل ہو اور اس کے مالہ و ماعلیہ کو بھی جانتا ہو۔

یہیں سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ایک مفتی و فقیہہ یا قاضی کے اندر اعلیٰ درجہ کی شرعی علمی لیاقت، حکیمانہ فکر و نظر اور مجتہدانہ بصیرت ہو صرف فقہی جزئیات کا علم یا ان کا حفظ کسی عالم دین کو فقیہہ و مفتی نہیں بناسکتا ہے بلکہ اس کے اندر علمی و فنی مہارت کے ساتھ ساتھ اجتہادی بصیرت اور احوالِ زمانہ سے واقفیت بھی ہو تاکہ وہ نئے مسائل کے بارے میں صحیح شرعی حکم دینے میں صواب سے زیادہ قریب ہو۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ علیہ الرحمہ نے اپنے فتاویٰ میں بار بار اس اہمیت کی طرف توجہ دلائی کہ ”تفقہ کار کن اعظم مقصد شرع کا ادراک اور احوال بلاد و عباد پر نظر ہے۔“ اور یہ بھی پُر ظاہر کہ نئے مسائل صرف عقائد و عبادات، طہارت و نجاست، حلت و حرمت ہی سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ معاملات و معاشرت، اخلاق و عادات اور اس سے بھی آگے سیاسی تصورات اور حکومتی انتظامات وغیرہا سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں پھر ان میں سے بہت سارے معاملات و سیاست کا حصہ بین الاقوامی قوانین اور اس کے اصول سے بھی جڑا ہوا ہوتا ہے۔

اس لئے ایک مفتی و فقیہ ان متعلقات سے بے نیاز ہو کر گوشہ تنہائی میں سو کر اپنے فرائض کو پورے طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ لہذا مفتی و قاضی کے لئے یہ بھی ناگزیر ہے کہ وہ ملکی و بین الاقوامی قانون اور اس کی تبدیلیوں پر بھی نگاہ رکھے اور معاملاتی و معاشرتی تغیرات کا بھی اسے علم ہوتا ہے۔

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے

کہ وہ کسی تجربہ کار، مشاق، ماہر فن استاد کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی کے اسرار و نکات اور بر محل استعمال کے لئے بعض الفاظ و کلمات مصطلحہ کا علم حاصل کرے پھر فتویٰ نویسی کے لئے اسی استاذِ حاذق کا مجاز و ماذون اور سند یافتہ ہونا فی زمانہ ضروری ہے۔ صرف مسائل و دلائل کا یاد کر لینا کافی نہیں۔ (اصول الفقہ ص ۲۱۹)

مفتی و فقیہہ کو صاحبِ عدالت ہونا چاہئے یعنی وہ متقی و پرہیزگار محتاط و دیانتدار ہو حضرت امام نووی شرح المہذب ص ۴۱ میں فرماتے ہیں

”یُنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْمَفْتَى ظَاهِرًا لَوَرَعٍ مَشْهُورًا بِالذِّانَةِ
الظَاهِرَةِ وَالصِّيَانَةِ الْبَاهِرَةِ“ کہ مفتی کو ظاہری اعتبار سے بھی صاحب
ورع ہونا چاہئے اور دیانت و احتیاط میں اپنے مقام میں مشہور ہو۔

واجب الحفظ

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عامۃ المسلمین کے لئے بطور خود مذاہب
اربعة میں سے مختلف مذاہب کے احکام پر عمل کرنا جائز و درست نہیں
کیونکہ اس سے اتباع نفس اور ہوا و ہوس کی پیروی کا ایسا دروازہ کھل
جائے گا جس کو آئندہ چل کر بند کرنا مشکل ہو گا جس کا مشاہدہ آج کل بھی
مغرب زدہ ماحول میں ہو رہا ہے اور یہی بے راہ روی آگے چل کر دین سے
دوری اور دہریت سے قریب کر دے گی۔

ہاں بوقت ضرورت و حاجت عوام ایسے مسائل میں ارباب افتاء
یا ناقل افتاء کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اور ان کے فتاویٰ کے مطابق عمل
کر سکتے ہیں اگرچہ وہ فتاوے ظاہر مذاہب کے خلاف معلوم ہوتے ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی عقد الجدیدؒ میں فرماتے ہیں

”لَا النَّعَامِي يَجِبُ عَلَيْهِ تَقْلِيدُ الْعَالَمِ إِذَا يَعْتَمِدُ عَلَى فِتْوَا
فَكَانَ مَعْدُورًا فِيمَا صَنَعَ وَأَنْ كَانَ الْمَفْتَى مَخْطَأً فِيمَا افْتَى“
اس لئے عامۃ المسلمین پر عالم کا اتباع واجب ہے اور جب وہ عالم کے
فتوے پر اعتماد کرتا ہو تو وہ اپنے عمل میں معذور ہے۔ اگرچہ مفتی نے اس
فتویٰ میں غلطی کی ہو۔

پھر اس امر کی وضاحت خود شاہ صاحب مذکور نے یوں فرمادی

”اعلم ان العامی الصرف لیس لہ مذہب معین وانما مذہبہ فتویٰ المفتی“ کہ خبردار ہو جاؤ کہ عامی محض کا کوئی خاص مذہب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مذہب تو مفتی معتمد کا قول ہوتا ہے۔

مفتی اپنے مذہب سے کب عدول کر سکتا ہے

مفتی و فقیہ یا ناقل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ مذہبِ اربعہ میں سے ضرورتاً اپنے مذہب سے عدول کرتے ہوئے کسی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا چاہے تو وہ مستدرجہ ذیل بنیادی شرطوں کو ملحوظ رکھے۔
اس کا مقصد ہوا و ہوس یا خواہش نفس کی تکمیل نہ ہو۔

مخلص ہونے کے باوجود رخصت کی تلاش و جستجو نہ کی جائے کہ اس سے غیر مخلص اور ہوا پرستوں کو شہ ملے گی اور رخصتوں کو ڈھال بناتے بناتے حدودِ عزیمت سے نکل جائیں گے اور شریعتِ مطہرہ ایک باز پچہ اطفال بن کر رہ جائے گی۔

اپنی فقہ اور جس مذہب میں عدول کر رہا ہے اس کی فقہ کی تفصیلات سے واقفیت ہو۔

کسی ایسی رائے کو اختیار نہ کرے جو نقضِ قطعی، اجماع، قواعدِ مسلمہ اور قیاسِ جلی کے خلاف ہو۔

مفتی اور عرف و عادت وغیرہا

جو مسائل احوالِ زمانہ یا عرف و عادت یا پھر ضرورت و حاجت وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں ان میں تغیرات کا واقع ہونا فطری امر ہے جس کا انکار

نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی مفتی اس سے چشم پوشی کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے حضرات فقہاء کرام نے اس کی جانب خصوصی توجہ دی اور مفتیوں کو متنبہ فرمایا ”من لم يعرف اهل زمانه فهو جاهل“ کہ جو اہل زمانہ کے عرف و عادت سے باخبر نہ ہو وہ مفتی نہیں جاہل ہے۔ عمدۃ المتأخرین حضرت علامہ شامی فرماتے ہیں ”لیس للمفتی ولا للقاضی ان یحکم علی ظاہر المذہب و یترک العرف“ (رسائل ابن عابدین ص ۱۲) کہ عرف و عادت اگر متقاضی ہو پھر بھی اس سے چشم پوشی کر کے ظاہر مذہب کے مطابق حکم لگانا منصب قضا و افتاء کے خلاف ہے۔

ایک مفتی وقاضی کا احوال زمانہ اور عرف و عادت وغیرہ سے واقف ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بہت سے احکام شرعیہ جو مستقل حیثیت کے حامل ہیں وہ اپنے زمان و مکان اور وہاں کے عرف و عادت پر مبنی ہیں۔ ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ کو پیش کرنا اور عرف و عادت کو پس پشت ڈال دینا یا تغیرات زمان و مکان کو قابل اعتناء نہ سمجھنا دین و دیانت مذہب و مسلک اور منصب قضا و افتاء کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

عرف و عادات کی تعریف

علماء اصول کے نزدیک عرف کی تعریف یہ ہے ”کہ عقلی طور پر جو بات دل میں جاگزیں ہو جائے اور طبع سلیم اسے قبول کر لے وہ عرف ہے خواہ اس بات کا تعلق کسی قول سے ہو یا عمل سے۔“
اس جامع تعریف سے اُس غلط اور ناپسندیدہ عرف کا اعتبار ختم

ہو جاتا ہے جسے عقل و طبع اور ذوق سلیم گوارہ نہ کرے جیسے موجودہ دور میں گاہے باجے، ناچ و رنگ، شراب و دیگر منشیات اور مختلف طرز کے گناہوں کا عام ہو جانا اور اسی طرح غریانیت و بے ستری، ٹی وی بینی و لوٹری بازی اور دیگر فسق و فجور کا تہذیب نو اور روشن خیالی کے نام پر نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ ارتکاب وغیرہ۔ (رفع الحجۃ ص ۳۱۹)

بعض اہل اصول کا خیال ہے کہ عرف و عادت کا مفہوم ایک ہی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے نتائج و اثر انگیزی میں یکساں ہے۔ لیکن اکثر علماء اصول کا یہ کہنا ہے کہ عرف و عادت میں افراد و جماعت کا فرق ہے یعنی عادت کا تعلق فرد اور اس کے مزاج و حالات سے ہوتا ہے جبکہ عرف کا تعلق جماعت و معاشرہ سے ہوتا ہے۔

عرف کی قسمیں

علماء اصولیتین نے عرف کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں جیسے عرفِ قولی، عرفِ عملی، عرفِ عام، عرفِ خاص وغیرہ۔ مذکورہ عرفوں کی مثال علی الترتیب یہ ہے مثلاً نقد کا معنی، مزدوروں کے لئے آرام کے وقت کا تعین، مہر کا کل یا بعض حصہ مؤخر کر دینا، کس پیشہ میں کون سی چیز یا بات عیب ہے کون سی نہیں۔

عرف کی اہمیت

فقہ کے بے شمار مسائل چونکہ عرف و عادت کے مطابق حل کئے گئے، حل کئے جاتے ہیں اور حل کئے جائیں گے۔ لہذا مفتی و فقیہ اور قاضی پر

ضروری ہے کہ ان اصولوں کو نہ صرف ملحوظ بلکہ محفوظ رکھے۔

① حضرت علامہ امام سرخسی علیہ الرحمہ نے مبسوط میں فرمایا ”الثابت بالعرف كاللثابت بالنص“ جو بات قولی یا عملی یا عام و خاص عرف سے ثابت ہو جائے گویا وہ نص شرع سے ثابت ہے ② الاشباہ والنظائر میں عرف و عادت سے متعلق جو اصول بیان کئے گئے ہیں وہ حضرات علماء کرام کی زبان زد ہیں مثلاً الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی جو بات عرف سے ثابت ہے وہ دلیل شرعی سے ثابت ہے ③ العادة محكمة عادت محکم ہے ④ العرف فی الشرع معتبر شریعت میں عرف کا اعتبار ہے ⑤ لاینکر تغیر الاحکام بتغییر الازمان زمانوں کے بدلنے سے احکام شرع میں تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائے گا ⑥ اختلف المسائل باختلاف المكان والزمان مکان و زمان کے بدلنے سے احکام شرع بدل جاتے ہیں ⑦ المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً جو بات عرف کی وجہ سے مشہور ہو چکی ہو وہ شرط کے ذریعہ مشروط ہی کی طرح ہے ⑧ استعمال الناس حجة يعمل بها لوگوں کا تعامل حجت ہے اور تعامل پر عمل کیا جائے گا۔

عرف و عادت سے متعلق الفروق ۱/۶۹۱ میں ہے کہ اسلاف کے کتب فتاویٰ بلکہ کتب شروح میں جو باتیں درج ہیں ان پر عمر بھر جمع نہ رہو اگر ان کا تعلق عرف و عادت یا احوال زمانہ کے تغیر و تبدل سے ہے۔۔۔ اگر تمہارے پاس کسی دوسرے علاقہ کا آدمی آئے اور تم سے فتویٰ پوچھے تو اپنے شہر یا علاقہ کے مطابق فتویٰ مت دو بلکہ سائل کے عرف کو دریافت کرو اور اسی کا لحاظ کر کے اس کے مسئلہ کو حل کرو۔

امام المتأخرین علامہ ابن عابدین شامی نے زور دیتے ہوئے فرمایا
 ”حاکم (مفتی وقاضی) کو کئی واقعات کے احکام کے بارے میں تفقہ کا حاصل
 ہونا ضروری ہے تاکہ وہ لوگوں کے حالات و حقائق کا ایک دوسرے سے
 موازنہ کر سکے۔ نیز سچ اور جھوٹ کے درمیان خط امتیاز کھینچ کر حقیقت امر
 کے بارے میں ضروری حکم صادر کرے۔ تاکہ وہ حکم حقیقت کے خلاف جاری
 نہ ہونے پائے۔“ (رسائل)

مفتی فتویٰ دینے سے پہلے اہل زمانہ کے احوال کا بنظر غائر مطالعہ
 کرے اور یہ دیکھے کہ اس کے فتوے کا تعلق کسی عرف سے تو نہیں ہے اگر
 کسی عرف سے ہے تو عرف کے اقسام کا تجزیہ کرے اور سوال جس عرف پر
 منطبق ہو جواب میں اس کی رعایت ملحوظ رکھے نیز اس سوال کے تعلق سے
 نصوص شرعیہ بھی مستحضر رہے تاکہ نص کا خلاف لازم نہ آئے۔

(اصول الفقہ ابو زہرہ)

عدول عن المذہب کی کچھ اور شرطیں

مذہب سے عدول کی چار بنیادی شرطیں بیان کی جا چکی ہیں لیکن
 ایک فقہ سے دوسرے فقہ یعنی ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف
 عدول نہایت ہی نازک مسئلہ ہے اس لئے میں چاہتا ہوں عدول عن المذہب
 کی کچھ اور شرطوں کو بیان کر دوں تاکہ اس میدان میں کوئی سرپٹ گھوڑا
 دوڑا کر کسی کھائی میں نہ جا پڑے اور اپنے ساتھ اپنی قوم کو بھی نہ لے ڈوبے۔

أَعَاذُكَ اللَّهُ تَعَالَى وَآيَا كَرَمِهِ

○ اسباب ستہ میں سے کسی سبب کی وجہ سے عدول عن المذہب ایسے ہی

امور میں معتبر ہے جن میں نص موجود نہ ہو اور اگر حرج و مشقت کے خلاف نص موجود ہو تو حرج و مشقت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہاں اگر نص کے عموم میں تخصیص یا استثناء فقہاء مذہب کے نزدیک موجود ہے تو مفتی وقاضی کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے ”المشقة والحرج انما یعتبران فی موضع لا نص فیہ واما مع النص بخلافہ فلا“

● عدول کی صورت میں بھی حتی الامکان اختلاف ائمہ بلکہ اختلاف فقہاء و علماء یعنی تلیف کی درست و نادرست دونوں صورتوں سے بچا جائے کیونکہ خروج عن الاختلاف کا مستحب ہونا علماء اصول کے نزدیک مسلم ہے۔

● جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مفتی وقاضی کو صاحب عدالت ہونا چاہئے خصوصاً جب عدول عن المذہب کی نوبت آجائے تو وہ تقویٰ و پیرہین نگاری کے ساتھ احتیاط و دیانت کو پیش نظر رکھیں۔ (شرح المہذب للامام النووی)

● عدول کی صورت میں کسی پیش آمدہ مسئلہ کو انفرادی طور پر حل کرنے کی بجائے اجتماعی طور پر خوب غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد حل کرنا صواب سے زیادہ قریب ہوگا اور زلت و سبکی سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ پھر جو فیصلہ اجتماعی طور پر ہو جائے حضرات مفتیان کرام قضاۃ عظام کو چاہئے کہ اسی فیصلہ کو اختیار فرمائیں اور اپنی ذاتی رائے کو اس میں دخل نہ دیں۔

● مفتی وقاضی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ضرر عام کو دفع کرنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کرے یعنی اجتماعی و جماعتی مفاد پر انفرادی و شخصی مفاد کو قربان کر دے۔ لہذا فی الاشباہ ص ۱۵ ”یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع ضرر العالم“

● یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ اسباب ستہ میں سے کسی سبب کے متحقق

ہوئے بغیر قول مرتجوع یا قول ضعیف پر فتویٰ دینا درست اور امت کے حق میں مفید نہیں ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نصوص مذہب کے خلاف کوئی فتویٰ اس وقت تک قابل قبول و عمل نہیں ہو سکتا جب تک اسباب ستہ میں سے کوئی سبب متحقق نہ ہو جائے۔

اسباب ستہ

احکام شرع میں تغیر و تبدل جن سببوں سے ہو سکتا ہے وہ کم و بیش چھ ہیں جنہیں اسباب ستہ کہا جاتا ہے۔ فقہار متاخرین کے نزدیک تغیر احکام یا عدول عن المذہب کی صورت میں ان اسباب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ ”اجلی الاعلام“ میں فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ چھ باتیں ہیں جن کے سبب قول امام بدل جاتا ہے۔ لہذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں یہ ہیں: ضرورت، دفع خرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔“

اسباب مذکورہ میں اجمالاً اگرچہ وہ تمام اسباب آگئے ہیں جن کی وجہ سے احکام شرع میں تبدیل و تغیر واقع ہوتی ہے لیکن بعض علماء کرام نے ان کی تفریع دوسرے لفظوں میں بھی کی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب مذکورہ کے علاوہ کچھ اور اسباب ہیں جو تغیر احکام کے طالب ہیں۔

ضرورت کی تعریف

اسباب ستہ مذکورہ میں سے بعض کی تعریف و تفریع اور اہمیت بیان

کی جا چکی ہیں۔ اب ضرورت کی تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے تاکہ ضرورت سے متعلق اصطلاح عوام اور اصطلاح شرع میں امتیاز ہو جائے ضرورت سے مراد نہ وہ اضطرار ہے جس کو بعض فقہاء نے حاجت و تحسین کے مقابلہ میں استعمال فرمایا ہے اور نہ وہ ضرورت ہے جو اصطلاح عوام میں مشہور ہے۔ بلکہ ضرورت شرعی کی تعریف اصول فقہ کی کتابوں میں منتشر ہے جس کی تفصیلی معلومات کے لئے حضرات مفتیان کرام کو ان کتب اصول کی غواصی کرنی چاہئے۔

ضرورت سے مراد بیش از بیش مشقت ہے جس میں اصطلاحی اعتبار سے ضرورت و حاجت دونوں داخل ہیں۔ پھر ضرورت میں بھی ضرورت عامہ، ضرورت خاصہ دونوں صورتوں میں مختصر اختلافات کے ساتھ عدول عن المذہب کی گنجائش ہے۔ اسی طرح عبادات و معاملات دونوں میں ضرورت کی بنا پر عدول جائز ہے لیکن عبادات میں معاملات کے مقابل عدول کے کم مواقع ہیں۔

ضرورت و حاجت کی تعریف میں بہت ہی کم مغائرت ہے ضرورت کے لئے مجبوری ضروری ہے جبکہ حاجت کے لئے مجبوری نہیں بلکہ رفع تنگی اور وسعت درکار ہے۔

در الاحکام ۳۴ میں ضرورت کی تعریف اس طرح ہے ”۔۔۔ الضرورة هي الحاجة الملجئة لتناول الممنوع شرعاً“ کہ ضرورت ایسی حالت (حاجت) ہے کہ انسان شرعی طور پر حرام و ممنوع چیز کے استعمال پر مجبور ہو جائے۔

اور حاجت کی تعریف یہ ہے ”ما يحتاج اليه من ديث التوسعة“

ورفع الضيق“ کہ حاجت وہ ہے کہ وسعت کی حد تک تنگی کا ازالہ ہو۔
 چونکہ ضرورت و حاجت میں کچھ نہ کچھ مغائرت ہے لہذا یہ بات یقینی ہے
 کہ جو خصوصیتیں ضرورت کی وجہ سے مل سکتی ہیں وہ حاجت کی وجہ سے نہیں۔
 اس کے باوجود بہت سے مسائل ایسے ہیں جہاں حاجت (خاص طور پر عمومی
 حاجت) کو ضرورت کا درجہ دیدیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے احکام شرعیہ
 میں بندوں کے لئے تخفیف کی گئی ہے۔ مثلاً بعض عقود و معاملات جو اصل
 کے لحاظ سے جائز نہیں ہونے چاہتیں لوگوں کی حاجت کے پیش نظر جائز قرار
 دیئے گئے ہیں جیسے بیع سلم اجارہ وصیت وغیرہ۔ اسی طرح جو چیز موجود
 نہیں ہے اس کی بیع و شراہ پر عقد اصولاً جائز نہیں ہے لیکن فقہار نے عقد
 استئصال (آرڈر دیکر مال تیار کرانا) کو جائز کہا ہے۔ اور اسی قبیل سے بغرض
 علاج نامحرم کا جسم دیکھنا اور احیاناً اس کا چھونا بھی ہے بشرطیکہ قدر حاجت سے
 تجاوز نہ کرے۔

مذکورہ تمام حاجتیں بر سبیل تنزل ضرورت کے دائرہ میں داخل ہیں جس
 کی تعبیر علماء اصول نے ”الحاجة تنزل منزلة الضرورة“ سے کی ہے۔

ضرورت کی وجہ سے آسانی کی راہیں

ضرورت و ضرر اور حاجت وغیرہ کی وجہ سے آسانی و اباحت کی شرعی راہیں
 ہموار ہوتی ہیں چنانچہ کتب اصول میں علماء اصول نے اس قاعدہ کی طرف
 خاصی توجہ دی ہے۔ فرماتے ہیں: ”الضرر یزال ضرر کو دور کیا جائے گا،
 الضرورات تبیح المحظورات ضرورت کے وقت ممنوع (حرام)
 چیزیں مباح ہو جاتی ہیں، یرتکب الخف الضررین لدفع اعظمہما

دو ضرورتوں میں سے آسان کو اختیار کیا جائے گا بڑے ضرر سے بچنے کے لئے
 يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام عام ضرر کو دور کرنے
 کے لئے خاص ضرر کو برداشت کر لیا جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اس قسم کے
 اصولی الفاظ و جمل سے اس فن کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

ضروری تنبیہ :- اس سے پہلے کہ میں ضرورت و حاجت وغیرہما
 کی مزید وضاحت کروں بطور تنبیہ اس بات کو واشگاف کرنا چاہوں گا کہ اس
 دور ہوا و ہوس اور فتنہ انگیزی کے ماحول میں مذاہب اربعہ سے عدول اور
 مذہب غیر منضبط کی طرف رجوع مزید فتنوں کے دروازوں کو کھولنا ہو گا جو
 کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے علاوہ کسی اور
 امام کا مذہب منفرد و غیر منضبط ہونے کی وجہ سے لائق تقلید نہیں جیسا کہ
 امام ابن ہمام نے التقریر التحبیر جلد ثالث میں اور شاہ ولی اللہ صاحب
 دہلوی نے الحجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا :

اسلاف کرام نے آسانی کی راہیں ہموار فرما کر اپنے اخلاف کو شتر بے مہار
 بننے کی دعوت نہیں دی ہے بلکہ اس کے لئے انہوں نے جا بجا تنقیدی و تحدیدی
 مہمیں بھی لگائی ہے۔ فرماتے ہیں ”الضرورة تقدر بقدرها کہ ضرورت کا
 لحاظ بقدر ضرورت ہی ہو گا۔“

در حقیقت یہ قاعدے اور اصول وضعی نہیں اور نہ ہی علماء اصولیین کے
 ذہن و فکر کی ایجاد ہے۔ بلکہ کتاب و سنت کے احکام مختلفہ کو اگر بنظر غائر دیکھا
 جائے تو یہ سارے اصول اسی کا غطر مجموعہ ہیں۔ ہاں اگر کسی خاص مسئلہ اجتہادی
 میں مشقت و حرج شدید واقع ہو جائے تو جیسا کہ پہلے میں نے عرض کیا کہ ارباب
 افتاء (فقیہہ و راسخ العلم) حضرات اپنے اجتماعی فیصلے کے ذریعہ ایسی رائے سے

فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو سلف صالحین میں سے کسی مقبول و معتبر شخصیت کی رائے ہو اور اس صورت حال میں جو فیصلہ ہوگا وہ دراصل عدول نہیں بلکہ اصول پر مبنی ہو کر اصل مذہب ہی کے دائرہ میں رہے گا۔

ضرورت حاجت کی مزید توضیح

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا حالات ہیں یا مجبوریاں ہیں جن کو ہم ضرورت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ قرطبی نے ”الجامع لاحکام القرآن“ میں جو نشاندہی کی ہے غالباً وہ کافی ہے۔ فرماتے ہیں:

① الاضطرار الی تناول المحرم من طعام او شراب حرام کھانے پینے کی چیزوں کے استعمال پر مجبور ہو جانا۔

② الاضطرار الی التمس والنظر والتداوی کسی چیز کے چھونے دیکھنے یا دواؤں استعمال کرنے پر مجبور ہونا یا مجبور کیا جانا۔

③ الضرر الی اتلاف النفس اپنی جان کو ہلاک کرنے پر مجبور کیا جانا۔

④ الضرر الی فعل فاحش کسی گناہ کبیرہ کے کرنے پر مجبور کیا جانا۔

⑤ الضرر الی اتلاف مال الغیر واخذ کسی غیر کے مال کو برباد کر دینے یا چھین لینے پر مجبور کیا جانا۔

⑥ الضرر الی القول الباطل کسی ناحق بات کے کہنے پر مجبور کیا جانا وغیرہ۔ ضرورت و مجبوری کی مذکورہ صورتوں میں سے اگر کوئی ایک صورت متحقق ہو جائے تو احکام شرع بدل سکتے ہیں یا مخصوص احکام دیئے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ مجبوریوں کے علاوہ کچھ اور بھی مجبوریاں ممکن ہیں مثلاً قتلِ مسلم کا

حکم جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے تو ایسی مجبوریوں کی وجہ سے احکام شرعیہ میں کوئی تبدیلی یا تخصیص نہیں ہوگی اور اس قسم کی مجبوریوں کا ادراک ایک مفتی وقاضی کے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ وہ جان سکے کہ کون کون یا کس قسم کی مجبوریاں تسہیل و تیسیر کو چاہتی ہیں اور کون کون سی نہیں۔

ضرورت و حاجت کے ساتھ رخصت کی تعریف و تحدید بھی ضروری ہے

پہلے اس حقیقت کا اظہار ہے کہ شریعت کے احکام دو طرح کے ہوتے ہیں عام جس میں کوئی متعین شخص یا خاص حالت و وقت ملحوظ نہ ہو۔ خاص یعنی وہ احکام جو کسی انتہائی مجبور کن حالات اور مخصوص پس منظر میں عام اصول و قاعدے سے الگ ہوتے ہیں ان میں عموم نہیں ہوتا۔

علامہ شاطبی نے اپنی کتاب الموافقات ۳-۲ میں لکھا ہے الاحکام الشرعیة نوعان احکام کلیہ شرعت ابتداء ولا تختص ببعض المكلفین من حیث هم مکلفون دون بعض۔ و احکام شرعت لعدو رشاقت استثناء من اصل کلی یقتضی المنع مع الاختصار علی موضع الحاجة فیہ۔ اور اس قاعدہ کلیہ کی تائید و توثیق سورہ بقرہ آیت ۲۱۷ (انہما حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمِیْتَةَ الْاَیَّہ) اور سورہ انعام کی آیت ۱۴۲ قَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْاَ مَا اَضْطَرُّ ثُمَّ اِلَیْہ سے ہوتی ہے۔

حضرت ابو بکر جصاص رازی علیہ الرحمہ نے بھی اصول مذکور کی تائید اس طرح فرمائی ہے ”فانتضی ذلك وجود الاباحة بوجود الضرورة فی کل حال وجدت الضرورة فیہا“ (الاحکام القرآن ص ۱۲۱) قائدہ مذکورہ کا

تقاضیہ ہے کہ جن جن حالات میں ضرورت پاتی جائے گی وہاں وہاں اباحت بھی پاتی جائے گی۔ اسی لئے فقہاء کرام اور علماء اصولیین فرماتے ہیں کہ آسانی کے لئے مشکل حکم چھوڑنا اصل دین ہے۔ علامہ امام سرخسی فرماتے ہیں ”ترک العسر للیسر اصل الدین“ (المبسوط ص ۱۴۵) پھر اس قاعدہ کلیہ مذکورہ کی تائید و توثیق اُن احادیثِ نبویہ سے بھی ہوتی ہے جن میں فرمایا گیا ”بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین“ تم لوگ آسانی مہیا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو دشواری کے لئے نہیں۔ ”بعثت بالحنفیۃ السمحة“ میں اُس دینِ حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جس میں وسعت و استقامت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اس امر پر اجماع ہے کہ حضور انور شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دوا مروں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے ”ما خیر بین امرین الا اختیار ایسرهما ما لم یکن ما ثمنا“ ہاں اگر وہ آسان صورتِ معصیت یا معصیت سے قریب ہوتی تو آپ اسے ہرگز اختیار نہیں فرماتے۔

رخصت

رخصت کے ضمن میں آنے والے مسائل کی حیثیت اضافی ہوتی ہے۔ اسی لئے کسی مفتی و فقیہہ کا ایسا خط کھینچ دینا ممکن نہیں ہے جہاں سے ہر شخص کے لئے رخصت سے استفادہ کی گنجائش نکل آئے۔ بلکہ معاملہ مبتلی بہ کی انفرادی حالت، عزم و ہمت اور قوت برداشت پر مبنی رہتا ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں: ”ان الرخص الشرعیۃ علی تضاfer ادلتها اضافیۃ ای کل احد من المكلفین ففیہ نفسہ فی الاخذ بها

اَوْفَى عَدَمِهِ“ (الموافقات ص ۱۵۵) یعنی رخصت شرعی اپنے دلائل کی وسعت کے لحاظ سے اضافی ہیں۔ اور ہر مکلف ان رخصتوں کو اختیار کرنے اور نہ کرنے کے سلسلہ میں اپنی ذات کے حق میں مفتی ہے۔

علامہ شاطبی نے اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ اسی امر کی یوں وضاحت کی ”فَرِيبَ مَرِيضٍ يَقْوَى مِنْ مَرَضِهِ عَلَى مَا يَقْوَى عَلَيْهِ الْآخَرُ فَتَكُونُ الرِّخَصَةُ مَشْرُوعَةً لِأَحَدِ الْمَرِيضِينَ دُونَ صَاحِبِهِ“۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مریض دوسرے مریض کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور ہوتا ہے تو ایسی صورت میں رخصت شرعی پر عمل کرنا ان دونوں میں سے صرف ایک مریض کے لئے جائز ہوگا۔

ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصت کی اجازت عمومی طور پر نہیں دی جاسکتی بلکہ مبتلا بہ کے حالات، عزم و ہمت اور قوت برداشت کو دیکھتے ہوئے مفتی حاذق کسی خاص فرد کو رخصت دے سکتا ہے۔ اور اس کا یہ متضاد حکم (جو صرف ظاہر میں ہے) شریعت کے خلاف نہیں بلکہ اصول شرع پر مبنی ہوگا۔ رخصت کے سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بغیر کسی معقول و معتبر وجہ کے محض تسہیل اور ہوا و نفس پر عمل کرنے کے لئے فقہی رخصتوں کی تلاش تدریج کے خلاف اور ناجائز ہی نہیں بلکہ تکالیف شرعیہ سے راہ فرار اختیار کرنا، فرض منصبی کی ادائیگی سے بھاگنا، اوامر و نواہی کی عزیمتوں کو منہدم کرنا، حق اللہ سے پہلو تہی، حق العباد کو توڑنا اور سب سے بڑھ کر مقصد شارع کے خلاف ہے اس لئے مفتیوں پر نہایت ضروری ہے کہ وہ رخصت کے بارے میں نہایت محتاط رہیں اور فتویٰ دینے سے پہلے خوب غور و فکر سے کام لے لیں۔

بعض اصول کلیہ مع امثال

حضرات مجتہدین عظام اور ماہرین علم فقہ نے قواعد و ضوابط فقہیہ اور اصول کلیہ کے طور پر سیکڑوں ایسے اصول کی نشاندہی فرمائی ہے جن کے ذریعہ سے ہر اس نو مولود اور مسائل محدثہ کا حکم شرعی معلوم کیا جاسکتا ہے جس پر کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے یا جس کا ذکر کتب فقہیہ اور فتاوائے سابقہ میں نہیں ملتا ہے یا جس ہمہ ہر مفتی کے پیش نظر افتاء کا یہ اصول بھی رہنا چاہئے کہ نصوص شرعیہ (ادلہ اربعہ) سے صرف کر کے صرف قواعد فقہیہ اور اصول کلیہ سے حکم شرع بیان کرنا اتباع نفس بلکہ جہالت ہے جو فقہاء کرام کے نزدیک ناجائز و حرام ہے۔

حضرات مفتیان عظام خصوصاً وہ علماء کرام جو افتاء کی تربیت سے اپنے آپ کو مزین فرما رہے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر نو مولود (مسائل محدثہ) کا حکم کتاب و سنت، اجماع صحابہ اور قیاس مجتہدین سے بیان فرمائیں اور اگر ان ادلہ شرعیہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل ممکن نہ ہو تو اصول کلیہ قواعد فقہیہ کی طرف نہایت غور و فکر کے ساتھ نظر کریں اور جس اصول کے ماتحت وہ نئے مسائل حل ہو سکتے ہیں اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کریں ایسی صورت میں اگر احیاناً خطا بھی واقع ہو جائے گی تو مجیب اپنی مخلصانہ سعی کے مطابق ایک ثواب کا مستحق ہوگا۔

قبل ازیں بعض اصول کلیہ کی نشاندہی کی جا چکی ہے اب بعض مزید اصول کلیہ کو یہاں اجمالی تعارف کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تاکہ تربیت

افتارے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے سہولت کا سبب ہو بقیہ اصول کلیہ معلوم کرنے کے لئے انہیں رسائل ابن عابدین رسم المفتی، عقود دربیہ اور فتاویٰ رضویہ کا بالخصوص مطالعہ کرنا چاہئے۔

اصول: ”لَا ثَوَابَ إِلَّا بِالذِّیَّةِ“ (رسم المفتی)

یہ قاعدہ فقہیہ یا اصول کلیہ تمام اعمال و افعال پر حاوی ہے کیونکہ کوئی بھی عامل و فاعل اگر اپنے فعل و عمل میں اخلاص نیت نہیں رکھتا تو وہ ماجرہ مثاب نہیں ہوگا بلکہ بسا اوقات ابھی نیت کے بغیر اچھے اعمال و افعال بھی زجر و عتاب کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

اور یہ اصول کلی حدیث پاک سے ماخوذ ہے جس میں ارشاد گرامی ہوا ”انما الاعمال بالنیات الخ“ کہ عملوں کا ثواب نیتوں پر موقوف ہے۔

----- یہاں یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہئے کہ بعض عبادات عبادت مقصودہ ہے جیسے نماز، روزے، حج و زکوٰۃ۔ اور بعض عبادات غیر مقصودہ ہیں جیسے وضو، غسل وغیرہما، تو جو عبادت عبادت مقصودہ ہے وہ بغیر نیت کے صحیح ہی نہیں ہوگی اور جو عبادت عبادت غیر مقصودہ ہے وہ بغیر نیت کے صحیح تو ہو جائے گی مگر اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ گویا عبادت مقصودہ کی صحت اور عبادت غیر مقصودہ کا استحقاق ثواب نیت پر موقوف ہے۔

یہ قاعدہ کلیہ بے شمار نومو لو د مسائل کا حل ہے اور اسی سے اشیاء مبامہ کے جواز و عدم جواز، ثواب و عدم ثواب متعلق ہے۔

اصول (۲): الْأَصْلُ بَرَاءَةُ الذِّمَّةِ (رم المفتی)

یعنی جب تک حق اور دعویٰ بطریق شرع ثابت نہ ہو جائے ہر شخص بری الذمہ ہے مثلاً کسی مدعی کا یہ دعویٰ ہے کہ فلاں شخص پر میرا قرض ہے تو جب تک اس پر قرض کا ہونا دلائل شرعی کے ساتھ مدعی ثابت نہ کر دے مدعی علیہ کا انکار عن الشرع قابل قبول ہوگا اور وہ بری الذمہ قرار دیا جائیگا کیونکہ یہی اصل ہے۔

اصول (۳): مَنْ شَكَّ هَلْ فَعَلَ شَيْئًا أَمْ لَا

فَالْأَصْلُ أَنَّهُ لَمْ يَفْعَلْ (رسائل)

کسی شخص کو اگر یہ شک ہو جائے کہ اس نے فلاں کام کیا ہے یا نہیں؟ تو اس میں اصل یہ ہے کہ گویا اُس نے وہ کام کیا ہی نہیں مثلاً کسی نمازی کو قعدہ اخیرہ میں شک ہو کہ یہ قعدہ اولیٰ ہے یا قعدہ اخیرہ تو گویا اس نے قعدہ اولیٰ کیا ہی نہیں اور اسی قعدہ کو وہ قعدہ اولیٰ سمجھ کر اپنی نماز پوری کرے گا۔

اصول (۴): مَنْ تَيَقَّنَ الْفِعْلَ وَشَكَّ فِي الْقَلِيلِ

وَالْكَثِيرُ حِمْلٌ عَلَى الْقَلِيلِ (رسائل)

کسی کو عمل کرنے کا یقین تو ہے لیکن اس کے کم و بیش میں شک ہے کہ زیادہ سراسر انجام دیا ہے یا کم؟ تو اس کا عمل کم پر محمول کیا جائے گا کیونکہ کم کا

تو یقین ہے (کہ اس نے عمل کیا)۔

مثلاً یہ شک ہو کہ ارکانِ نمازیں سے فلاں رکن جس کو ہم نے ادا کر لیا ہے مگر وہ کم کیا یا زیادہ؟ تو ایسی صورت میں اگر یہ شک پہلی بار ہوا ہے تو نماز از سر نو پڑھے۔ اور اگر ایسا خیال اکثر گزرتا رہتا ہے تو تحری کرے ورنہ اس رکن کو اقل قرار دے کر نماز پوری کرے۔ یہ اس حال میں ہے جبکہ نمازی کو حالتِ نماز میں یہ شبہ گزرا ہو اور اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ خیال آیا تو اس وسوسہ کا کوئی اعتبار نہیں نماز پوری ہو گئی۔

اصول: الْأَصْلُ لِعَدَمٍ فِي الصِّفَاتِ الْعَارِضَةِ

(فتح القدیر)

صفت اگر عارضی ہے تو اس کی اصل عدم (نہ ہونا) ہے مثلاً ایک شخص نے نیچنے والے سے اس شرط پر غلام خریدا کہ وہ خباز (روٹی پکانے والا) ہے پھر مشتری نے بائع سے کہا کہ بھائی! یہ غلام تو خباز نہیں ہے۔ مگر بائع کہتا ہے کہ نہیں وہ تو خباز ہے۔ تو ایسی صورت میں مشتری کا قول مانا جائے گا کیونکہ خباز ہونا صفتِ عارضی ہے اور اس کی اصل عدم ہے۔

اصول: الْأَصْلُ لَوْجُودٍ فِي الصِّفَاتِ الْأَصْلِيَّةِ

(فتح القدیر)

صفت اگر اصلی ہے تو اس کی اصل وجود (ہونا) ہے مگر کسی خریدار نے باندی کو اس شرط پر خریدا کہ وہ کنواری (باکرہ) ہے پھر خریدار نے اُس کی بکارت کا انکار کیا اور بائع (نیچنے والا) اس کی بکارت کا مدعی ہے تو بائع کا قول عند القضاء تسلیم کیا جائے گا۔

کیونکہ بکارت اس کی صفتِ اصلیہ سے ہے اور صفتِ اصلی کی اصل اس کا وجود ہے۔

اصول: ”الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ“

(رسم المفتی عقود درّیہ)

ہر چیز کی اصل اس کا مباح و جائز ہونا ہے۔ یہ اصل ائمہ احناف متقدمین و متاخرین کے نزدیک مسلم ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اصل تسلیم فرمایا ہے۔ امام المتاخرین علامہ ابن عابدین شامی نے اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور اسی اصل پر سیکڑوں مسائل نو مولود کے جوابات کو متفرع فرمایا ہے۔

اور اس کے اصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خلاق کائنات جل مجدہ نے ارشاد فرمایا ”هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا“ کہ شان و عظمت والے خدا ہی نے تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے پیدا فرمایا اس عام و مطلق ارشاد سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی اصل جائز و مباح ہونا ہے جیتک اس کے عدم جواز یا تحریم پر کوئی دوسرا حکم نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے: الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مَعْفُودٌ ”حلال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمادیا اور حرام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جن چیزوں سے سکوت فرمایا وہ مباح و معاف ہیں۔“ حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن چیزوں کے حلال و حرام کا بیان اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا بلکہ سکوت فرمایا وہ جائز و مباح ہے اگر کوئی شخص اسے ناجائز و حرام

یا گناہ و معصیت کہتا ہے تو اس پر لازم یہ کہ وہ اسکے ناجائز و حرام اور گناہ ہونے کا ثبوت شرعی پیش کرے ورنہ نئی شریعت گڑھنے کے الزام سے اپنے آپ کو بچائے۔ کیونکہ مسکوت عنہا اشیاء کے جائز و مباح ہونے کے لئے یہ حدیث پاک اور آیت مذکورہ ہی کافی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جن چیزوں کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تو وہ آیت مذکورہ ”هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا“ کی رو سے جائز و مباح کی فہرست میں داخل ہیں اور جو اس سے تجاوز کرتا ہے وہ حدود الہیہ کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے جس کی شدید ترین ممانعت قرآن پاک ہی میں موجود ہے ”قَبْلَ ذَلِكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا“ یعنی جو حدود اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ ہیں اس سے تجاوز نہ کرو۔

یہ اصل اگر زبان زد رہے اور اس کا مفہوم ذہن نشین رہے تو تربیت افتاء کا نو آموز مفتی بھی سیکڑوں مسائل محدثہ کا قلم برداشتہ جواب لکھ سکتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ خطا سے بھی محفوظ رہے گا۔

یہاں یہ امر بھی مستحضر ہونا زیادہ مفید ہو گا کہ حضور پیر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول و فعل و تقریر اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول و فعل تو حجت شرعیہ ہے مگر ان کا عدم قول و فعل کسی فعل کے عدم جواز کے لئے حجت شرعیہ نہیں۔ اور جس امر سے متعلق کوئی قول و فعل موجود نہیں وہ اسی اصل کے مطابق جائز و مباح کے خانے میں ہے اور یہ بھی پُر ظاہر کہ ہر امر مباح نیت خیر کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اصول ۸: الْأَصْلُ إِضَافَةُ الْحَادِثَاتِ إِلَى أَقْرَبِ أَوْقَاتِهَا (رسم المفتی)

ہر واقعہ کو اس کے قریب تر وقت کی طرف منسوب و مضاف کیا جانا اہل ہے۔ مثلاً کوئی مطلقہ عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اسے اپنے مرض الموت میں طلاق دی ہے اور اس مردہ کے دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ حالت صحت میں طلاق دی تھی، تو ایسی صورت میں مطلقہ مذکورہ کی بات مانی جائے گی کیونکہ اس کا قول اقرب کی طرف منسوب ہے فلہذا وہ فوت شدہ شوہر کا وارث ہوگی۔

اصول ۹: الْمُشَقَّةُ وَالْحَرْجُ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي مَوْضِعِ الْأَنْصِ فِيهِ (رسم المفتی)

حرج و مشقت کا اعتبار ایسی جگہ میں کیا جاتا ہے جہاں نص موجود نہیں ہے یعنی جس مسئلہ میں نص موجود ہے وہاں حرج و مشقت کا اعتبار نہیں مثلاً حرم مکہ کی گھاس کی وجہ سے وہاں کے باشندے یا حجاج کرام حرج و مشقت میں مبتلا ہو جائیں تو اس حرج و مشقت کی وجہ سے وہاں کی گھاس کو کاٹنا مباح نہیں ہو جائے گا کیونکہ اس کی حرمت قطع پر نص موجود ہے۔

اصول ۱۰: كُلُّ مَا تَجَاوَزَ عَنْ حَدِّهِ انْعَكَسَ

إِلَى ضِدِّهِ (عقود درہ)

ہر وہ چیز جو اپنی حد سے آگے بڑھ جائے وہ اپنی ضد کی طرف لوٹ جاتی

ہے اور اسی اصول کو علماء اصولیین نے اس طرح بھی بیان فرمایا ”الامر اذا ضاق التسع و اذا اتسع ضاق“ یعنی معاملہ جب تنگ ہو جائے تو وسعت ملتی ہے اور جب معاملہ وسعت رکھے تو سختی کیا جاتا ہے مثلاً نماز کا وقت اگر بہت تنگ ہو جائے تو وضو کے سنن و مستحبات کو ترک کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر تنگ نہ ہو بلکہ وقت میں گنجائش ہو تو سنن و مستحبات کی رعایت کے ساتھ وضو کیا جائے گا ہاں سنن و مستحبات پر اضافہ جائز نہیں۔

اصول ۱۱: ”الضرر يزال“ (رسم المفتی)

نقصان و ضرر دور کیا جائے۔ اس قاعدہ کلیہ کی بنیاد وہ حدیث پاک ہے جس میں ارشاد ہوا ”لا ضرر ولا ضرار“ فی الاسلام اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے بھائی کو نہ ابتداءً ضرر پہنچائے نہ کسی ضرر کے بدلے انتقاماً بعد میں نقصان پہنچائے۔ اس اصول اور قاعدہ کلیہ پر بہت سے مسائل فقہیہ کی بنیاد ہے مثلاً پڑوسیوں کو دفع ضرر ہی کے پیش نظر حق شفیعہ حاصل ہے۔ قاضی دفع ضرر کے پیش نظر ہی تفریق زوجین یا فسخ نکاح کا حکم صادر کرتا ہے۔ کسی ایسی بلن جگہ پر چڑھنا جہاں سے دوسرے گھروں کی عورتوں کی بے پردگی ہونا جائز و حرام قرار پاتا ہے اور حرمت اور عدم جواز کی دلیل دفع ضرر ہی ہے۔

اصول ۱۲: ”الضرورات تبیح المحظورات“ (رسم المفتی)

ضرورتیں ممنوعات کو جائز (مباح) کر دیتی ہیں۔ یہ وہ مشہور و معروف قاعدہ ہے جس کی اہل قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ہے:

”إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُحْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ“
 اس قاعدہ کلیہ کے تحت بحالت اضطرار ضرورت کے مطابق مردار و حرام اشیاء میں سے کچھ کھاپنی لینا جائز و مباح ہے اور قدر ضرورت سے زیادہ حرام و ناجائز ہے اسی طرح اکراہ شرعی کی صورت میں جان بچانے کے لئے بکراہت قلبی زبانی طور پر کلمہ کفر ادا کر دینا یا وزن کی زیادتی کی وجہ سے کسی ہوائی جہاز کے گر جانے یا ڈوب جانے کا یقینی خطرہ لاحق ہو جائے تو اس کے وزن کو کم کرنے کی غرض سے دوسروں کے مال کو تلف کر دینا اسی قاعدہ کے مطابق جائز و مباح ہے۔

اصول (۱۳): مَا أَيْحَ لِلضَّرُورَةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا (اصول الفاء)

جو چیز کسی ضرورت کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہتی ہے۔ یہ اصول اصول ۱۲ کی وضاحت کے لئے ہے بوقت ضرورت مردار کھانا بقدر ضرورت ہی جائز ہے یعنی صرف اس قدر کہ جان بچ جائے تو جان اگر ایک لقمہ کھانے یا ایک گھونٹ شراب پینے سے بچ سکتی ہے تو دو لقمہ یا دو گھونٹ کا استعمال حرام و خلاف شرع ہوگا۔ اسی طرح بوقت ضرورت طبیب کو جائز ہے کہ مریض یا مریضہ کے پردہ کی جگہ کو بقدر ضرورت دیکھے۔ لہذا ضرورت سے زیادہ جگہ کا دیکھنا یا ضرورت سے زیادہ دیر تک دیکھنا حرام و ممنوع اور خلاف شرع ہوگا۔

اصول (۱۴): "مَا جَازَ بَعْدَ بَطْلِ بَزْوَالِهِ" (کنز)

جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز ہو جائے تو عذر زائل ہونے کے بعد اس کا جواز باطل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے تیمم جائز ہو جاتا ہے اور جب وہی شخص پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا تو تیمم کا جواز باطل ہو گیا۔

اصول (۱۵): "الضَّرَرُ لَا يَزَالُ الضَّرَرُ"

نقصان کو نقصان پہنچا کر زائل نہ کیا جائے گا۔ مثلاً ایسا شخص جو حالت اضطرار میں ہے وہ دوسرے ایسے شخص کا کھانا نہیں کھا سکتا جو خود بھی حالت اضطرار میں ہو۔

اصول (۱۶): "يَتَحَمَّلُ الضَّرَرُ الْخَاصَّ لِاجْلِ رَافِعِ الضَّرَرِ الْعَامِ"

اس اصول کی وضاحت کی جا چکی ہے صرف مثالوں کے ساتھ واضح کرنے کے لئے یہاں دوبارہ لکھا گیا تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ یہ مفتی جانشا ہے کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً اس بوسیدہ دیوار کو گرا دیا جائے گا جو راستے کی طرف جھکی ہوئی ہو اور جس کے گرنے سے راہ گروں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اگرچہ اس دیوار کا مالک دیوار گرانے پر راضی نہ ہو لیکن بحکم قاضی وہ دیوار گرا دی جائے گی۔ اسی طرح وہ غلہ فروش جو قحط کے زمانہ میں اس لئے غلہ خرید خرید کر

جمع کر رہا ہے کہ مہنگا بیچے گا یا من مانا دام لے گا، تو اس کا جمع کیا ہوا غلہ جبراً بازار بھاؤ پر فروخت کر دیا جائے گا اور اس کا استغاثہ عن القضاء قابل سماعت نہیں ہوگا۔ اسی طرح غیر سنجیدہ اور عدیم الحیا مفتی کو فتویٰ دینے رشوت خور قاضی کو دہنی فیصلہ دینے اور مسخرہ کرنیوالے مقررین کو تبلیغ و اشاعت دین کے ممبر پر بیٹھنے سے روک دینا جائز ہے۔ موجودہ سیکڑوں نئے مسائل کو اس اصول پر حل کیا جاسکتا ہے۔

اصول (۱۷) : "مَنْ ابْتَلَىٰ بِبَلِيَّتَيْنِ وَهُمَا مُتَسَاوِيَتَانِ
يَأْخُذُ بِأَيِّهِمَا شَاءَ وَإِنْ اِخْتَلَفَتَا يَخْتَارُ أَوْ أَحَدَهُمَا"

اگر کوئی شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے اور وہ دونوں مصیبتیں برابر کی ہوں تو جس کو چاہے اختیار کر لے اور اگر دونوں مصیبتیں نتائج کے اعتبار سے کم و بیش ہوں تو جس مصیبت میں نسبتاً کم مشقت ہو اسی کو اختیار کرے کیونکہ حرام کا ارتکاب بدرجہ مجبوری جائز و مباح کیا گیا ہے لہذا کم سے کم ہو اس لئے بڑی مصیبت کو ترک کر دے کیونکہ اس میں زیادہ حرام کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔ مثلاً کوئی ضعیف و بیمار آدمی اگر کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو قرأت قرآن نہیں کر سکتا اور اگر وہی بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے تو قرأت قرآن کر لے گا تو ایسی صورت میں وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے گا اور قیام کو ترک کر دے گا کیونکہ اگرچہ قیام و قرأت دونوں فرائض نماز سے ہیں مگر قیام پر قرأت کی اہمیت واضح ہے کہ ترک قیام تو نوافل میں جائز ہے مگر ترک قرأت جائز نہیں۔

اسی طرح اگر کسی نمازی کے جسم میں زخم ہے کہ وہ اگر سجدہ کرتا ہے تو زخم بہنے

لگتا ہے اور زخم بہے گا تو وضو ٹوٹے گا جسم ناپاک ہوگا۔ اور اگر بغیر سجدہ کے نماز پڑھتا ہے تو نہ زخم بہتا ہے نہ جسم ناپاک ہوتا ہے نہ وضو ٹوٹتا ہے تو ایسی صورت میں وہ بغیر سجدہ کے اشارہ سے نماز پڑھے کیونکہ یہ بڑی مصیبت کے مقابلہ میں کم ہے وغیرہما۔

اصول: ۱۸) دُرُّ الْمَفَاسِدِ أَوْلَىٰ مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ

یعنی خرابیوں کو دور کرنا منافع حاصل کرنے سے بہت بہتر ہے۔ اس اصول کلی سے معلوم ہوا کہ جب مفسد و مصالح میں تضاد واقع ہو تو حصول مصالح سے قطع نظر کر کے مفسد کو دور کیا جائے گا۔ کیونکہ شریعت مطہرہ کے نزدیک ممنوعات و محرمات اور مفسد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے بہت زیادہ اہم ہے۔ اور اس اصل کی اصل رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا یہ ارشاد گرامی ہے: ”إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ“ کہ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو حتی المقدور اسے بجالاؤ اور جب کسی شے سے منع فرماؤں تو اس سے دُور رہو۔ امور مامورہ کو بجالانے کے لئے مَا اسْتَطَعْتُمْ (حتی المقدور) فرمایا اور منہیات کے لئے مطلقاً اجتناب کا حکم دیا۔ اس سے مفسد و محرمات سے بچنے کی تاکید شدید نکلتی ہے۔ دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہوا: ”لِتَرْكِ ذَرْعٍ مِمَّا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ“ یعنی منہیات الہیہ میں سے ایک ذرہ سے بھی اجتناب کرنا جن و انس کی عبادت سے بہتر ہے، اور اسی اصل سے فقہ کے بہت سارے مسائل مستنبط ہیں مثلاً مَنْ لَمْ يَجِدْ سِتْرَةَ تَرْكِ الْاسْتِنْجَاءِ وَلَوْ عَلَى شَطِّ النَّهْرِ (جسے سترہ نہ ملے وہ استنجا کر کو ترک کرے اگرچہ وہ

نہر کے کنارے پر ہو، ۲ عورت پر غسل واجب ہو اور وہ مردوں سے پردہ کی جگہ نہ پائے تو وہ غسل مؤخر کرے (اگرچہ نماز کی قضا کرنی پڑے) ۳ غسل واجب میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا ہے لیکن بحالتِ روزہ مکروہ ہے کہ مبادا روزہ نہ ٹوٹ جائے۔

ہاں بعض مصالح مفاسد پر غالب ہوتے ہیں ایسی صورت میں مصالح کو اختیار کرنا چاہئے مثلاً دو متحارب گروہوں یا دو مسلم بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے دروغ بیانی کرنا کہ دروغ منہیات شرعیہ سے ہے مگر مصالح مذکور کے لئے جائز ہے۔

طَبَقَاتِ مَسَائِلِ

فتویٰ نویسی کے لئے جہاں اصول فقہ اور قواعد فقہیہ کا علم ضروری ہے۔ وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اسے طبقات فقہاء اور طبقات مسائل کا علم ہو کہ اس کا علم نہ ہونے کی صورت میں وہ قدم قدم پر دھوکے کھا سکتا ہے۔

طبقات مسائل میں پہلا طبقہ مسائل، مسائل الاصول ہے جسے ظاہر الروایۃ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اصحاب المذہب سے مروی ہیں۔ لیکن ظاہر الروایۃ کے متعلق مشہور و اغلب یہ ہے کہ ”ظاہر الروایۃ حضرت امام اعظم، حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد علیہم الرحمہ کے اقوال کو کہتے ہیں“ اور ظاہر الروایۃ کا اطلاق جن کتابوں پر ہوتا ہے وہ حضرت محمد کی یہ چھ کتابیں ہیں: (۱) مسوط (۲) جامع صغیر (۳) جامع کبیر (۴) زیادات (۵) سیر صغیر (۶) سیر کبیر۔ ان کتابوں کی روایتیں ثقہ راویوں نے حضرت امام محمد سے روایت کیں جو تواتر سے ثابت اور مشہور ہیں۔

دوسرا طبقہ مسئلہ نوار دے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے راوی تو مذکورہ بالا اصحاب ہی ہیں لیکن مذکورہ بالا چھ کتابوں میں سے کسی کے اندر مندرج نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مسائل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصانیف میں مذکور ہیں۔ جیسے کیسانیات، بارونیات، جرجانیات اور رقیات میں۔ ان مسائل کو ظاہر الروایۃ اس لئے نہیں کہتے کہ اس کی روایات حضرت امام محمد سے مذکورہ چھ کتابوں کی روایات کی طرح روایات صحیحہ، ثابۃ اور ظاہرہ سے مروی نہیں۔ مسائل نوار دین حضرت امام محمد کی مذکورہ کتب کے علاوہ حضرت حسن بن زیاد کی المحرر اور کتاب الامالی (حضرت امام ابو یوسف کی املا کرائی ہوئی) غیر ہما کتب شامل ہیں۔

طبقات مسائل کی آخری اور تیسری قسم ”الواقعات“ ہے یہ وہ مسائل ہیں جن کو بعد کے مجتہدین نے مرتب و مؤلف فرمایا۔ جن میں اکثر حضرت امام ابو یوسف انصاری یا حضرت امام محمد کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد ہیں۔ صاحبین کے تلامذہ کی بہت بڑی تعداد ہے ان میں بعض مشہور شخصیات یہ ہیں۔ حضرت عصام بن یوسف، علامہ ابن رستم، علامہ محمد بن سماعہ، علامہ ابوسلیمان جرجانی، حضرت ابو حفص البخاری وغیرہم اور پھر ان حضرات کے شاگردوں میں حضرت محمد بن سلمہ، علامہ ابن مقاتل، علامہ نصیر بن سحبی، علامہ قاسم بن سلام وغیرہم ان بزرگوں نے اپنے قوی تر دلائل و اسباب کی بنا پر اصحاب مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کو ثابت کیا اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا۔ ان کے فتاویٰ میں سب سے پہلے جو کتاب منظر عام پر آئی وہ کتاب النوازل ہے۔ جو فقیہ اجل ابواللیث سمرقندی کی ہے، ان کے بعد دیگر فقہاء کرام نے بہت سے مجموعے مرتب فرمائے جیسے مجموعہ النوازل، واقعات صدر الشہید، واقعات

الناطفی وغیرہا۔ پھر اس کے بعد بہت سے فقہاء کرام نے مخلوط و متمیز طور پر کتب فتاویٰ کی تدوین و ترتیب و تالیف فرمائی مثلاً فتاویٰ قاضیخان، فتاویٰ بزازہ خلاصہ اور المحيط السرخسی وغیرہا۔

بعض ضروری مضاحرت

مسائل اصول میں الحاکم الشہید کی تصنیف ”کتاب الکافی“ نقل مذہب میں بڑی معتمد کتاب ہے بڑے بڑے اکابر امت نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ العبدسوط: للامام محمد۔ اس کے متعدد نسخے ہیں ان میں سب سے بہتر نسخہ وہ ہے جو علامہ ابوسلیمان جرجانی سے مروی ہے متاخرین علماء وفقہ نے اس کی کئی شرحیں لکھیں جنہیں مقبول عام حاصل ہوا۔

امام محمد کی ہر وہ تصنیف جس میں لفظ ”صغیر“ لگا ہوا ہے اس میں وہ مسائل ہیں جن کی روایت امام محمد نے اپنے استاد گرامی سیدنا امام اعظم سے بواسطہ سیدنا امام ابویوسف کے کی ہے اور لیکن جن روایتوں کی روایت امام محمد نے بے واسطہ امام ابویوسف کے براہ راست امام اعظم سے کی ہے ان روایتوں کے مجموعہ پر لفظ ”کبیر“ لگا دیا ہے۔

نوادس: ان مسائل کے لئے استعمال کیا گیا ہے جن کی روایت امام محمد نے ان مذکورہ چھ کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام ابویوسف علیہما الرحمہ سے کی ہے۔

اور نوازل ایسے مسائل کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جن مسائل کو مجتہدین مذہب سے دریافت کیا گیا اور انہوں نے ان مسائل میں کوئی نص نہیں پائی بلکہ اپنے

طبقة ثالثه : المجتهدین فی المسائل“ یہ وہ حضرات ہیں کہ جن مسائل میں اصحاب مذہب سے کوئی روایت نہیں ملتی ہے، ان مسائل میں اپنے ائمہ کرام کے مقرر کردہ قواعد و اصول کے مطابق مسئلوں کا استنباط کرتے اور مسائل محدثہ کو حل فرماتے ہیں جیسے حضرت علامہ ابو جعفر الطحاوی (م ۳۳۷ھ) حضرت ابوالحسن الکرخی (م ۳۴۷ھ) حضرت شمس الائمہ الحلوانی (م ۳۵۶ھ) اور علامہ فخر الدین قاضی خاں (م ۵۹۳ھ) وغیرہم۔

طبقة رابعة : ”اصحاب الترجیح من المقلدین“ یہ حضرات اجتہاد پر قدرت نہیں رکھتے لیکن قواعد و اصول کا پورا علم اور مسائل کے ماخذ سے پوری واقفیت رکھتے ہیں اس لئے امام و مجتہد کی اجمالی روایتوں کو تفصیلی طور پر بیان کرنے کی پوری پوری صلاحیت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام و مجتہد کا ایسا قول جو دو چیزوں پر محتمل ہو صاحب تخریج اس کو امثال و نظائر کی روشنی میں اصول و قیاس کی بنیاد پر کسی ایک چیز پر منطبق کر دیتا ہے جیسے امام رازی امام کرخی وغیرہما۔

طبقة خامسة : ”اصحاب الترجیح من المقلدین“ یہ وہ حضرات ہوتے ہیں کہ بعض روایات کو بعض روایات پر تفصیل دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس کے مراتب و تفصیل کو بھی بیان کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی بیان کردہ روایتوں کے بعد ”هذا اولیٰ“ ”هذا اصح“ ”هذا اوضح“ ”هذا اوفق للقیاس“ وغیرہ فرماتے ہیں جیسے حضرت ابوالحسن قدوری (م ۲۸۸ھ) صاحب الہدایہ (م ۵۹۳ھ) وغیرہما۔

طبقة سادسة : ”المقلدین القادرین علی التمییز“ ان کا مقام یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف و مردود اقوال بیان

نہیں کرتے اور روایات مختلفہ میں قوی، اقوی، ضعیف، ظاہر الروایہ، ظاہر
المذہب اور روایات نادرہ میں امتیاز و فرق کرنے کی اہلیت تامہ رکھتے
ہیں جیسے اصحاب المتون المعبرہ مثلاً صاحب الکفر، صاحب المختار،
صاحب الوقایہ وغیرہم۔

طبقہ سابعہ: ”المقلدین الذین لا یقدرون علی ما ذکر“
یہ حضرات کھرے کھوٹے، کمزور و قوی ظاہر و نوادر میں کچھ بھی امتیاز کرنے کی
صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ انہیں جو بھی مواد مل جاتا ہے جمع کر لیتے ہیں۔ یہ
حضرات اس قابل نہیں کہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جائے۔
رسم المفتی، شرح العقود، المنظوم لابن عابدین



اصول فقہ کے بعض قواعد مشہورہ کی نشاندہی

(اس دور میں ہمارے علماء کرام کو کتب اصول فقہ کی ورق گردانی و مطالعہ کا موقع کم ملتا ہے اور بعض مقامات پر ان کتابوں کی فراہمی بھی میسر نہیں۔ اس لئے میں نے یہاں ان قواعد مشہورہ کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے جن کی ضرورت کار افتادہ میں ہمیشہ پڑتی ہے۔ لہذا حضرات مفتیان کرام خصوصاً جو تربیت افتادہ میں مشغول ہیں انہیں چاہئے کہ ان اصول قواعد کو زبان زد کر لیں)۔

- العجماء جرحھا جبار۔ جانور کی دیت قابل معافی ہے۔ (ترمذی ص ۲۵۶)
- الخراج بالضممان۔ خراج (فائدہ) ضمان کیساتھ متعلق ہے۔ (ابوداؤد ص ۲۹۵)
- لا قطع فی ثمر ولا کثر۔ پھل اور خوشہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (ترمذی ص ۱۶۹)

- البیئۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔ مدعی پر گواہ اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔ (ترمذی وغیرہ)

- لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ اسلام میں تنگی و سختی کرنے کی اجازت نہیں۔ (احادیث نبویہ)

اس قسم کے اصول احادیث مبارکہ میں اور بھی موجود ہیں جس کی تلاش و جستجو کرنی چاہئے۔

خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اگر معارض

بالحدیث نہ ہو تو اسے دلیل شرعی کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ کے آراء مبارکہ کو بعض علماء نے سیرت عمر لابن الجوزی کے حوالہ سے جمع کیا ہے اور اسے اصول وقواعد فقہیہ کی حیثیت دی ہے جو فقہاء کے نزدیک مقبول ہے مثلاً:

❖ من استعمل فاجراً و هو یعلم انه فاجر فهو مثله۔ جس نے کسی فاجر کو عامل بنایا حالانکہ وہ اس کا فسق و فجور جانتا ہے تو وہ بھی فاجر ہے۔ (فقہ عمر ص ۱۲۲ بحوالہ سیرت عمر لابن الجوزی)

❖ المسلمون عدول بعضهم علی بعض۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حق میں عادل و قابل اعتبار ہے۔ (فقہ عمر ص ۵)

❖ ذرو الربا والریبۃ۔ سود اور جس میں سود کا شبہ ہو انہیں چھوڑ دو۔ (فقہ عمر ص ۲۲۳)

❖ البینۃ علی المدعی والیمن علی من انکر۔ مدعی پر بیعت اور منکر پر کہیں ہے۔ (فقہ عمر ص ۳)

نقص ۱: مدعی اور منکر کی تمیز مشکل ہے لہذا اس کی پہچان و تمیز میں بہت تدبیر سے کام لینا چاہئے۔

فقہ عمر سے یہ تین چار مثالیں پیش کی گئیں جنہیں تفصیلات میں جانا ہو وہ فقہ عمر یا سیرت عمر لابن الجوزی کا مطالعہ کریں۔

❖ لا یتبخی لاحد ان یحدث شیئاً فی طریق المسلمین ممّا یضرّهم۔ کسی کے لئے مسلمانوں کے راستے میں ان تصرفات کا حق نہیں ہے جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔ (کتاب الخراج للامام ابی یوسف ص ۹۳)

❖ القدیم یترک علی قدمہ۔ پرانی چیزوں کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ (قاعدہ فقہاء)

❖ الامور بمقاصدھا۔ تمام امور کے احکام اس کے ارادوں پر مرتب ہوتے ہیں۔ (۱۱)

- ❖ اليقين لا يزول بالشك يقين شک سے زائل نہیں ہوتا۔ الاشباہ (قاعدہ فقہا)
- ❖ المشقة تجلب التيسير مشقت سہولت فراہم کرتی ہے۔ " " "
- ❖ ان السؤال يجبري على حسب متعارف كل قوم في مكانهم۔ سوال ہر قوم کی جگہوں کے عرف کے مطابق جاری ہوگا۔ (امول الکفری)
- ❖ ان الاحتياط في حقوق الله تعالى جائز وفي حقوق العباد لا يجوز اللہ تعالیٰ کے حقوق میں احتیاط جائز ہے اور بندوں کے حقوق میں احتیاط جائز نہیں۔ (امول الکفری)

- ❖ انه اذا مضى بالاجتهاد لا يفسخ باجتهاد ويفسخ بالنص۔ جب کسی مسئلہ میں اجتہاد ہو جائے تو اُس اجتہاد کو اُسی جیسا اجتہاد فسخ نہیں کر سکتا ہاں نص اسے فسخ کر دے گا۔ (امول الکفری)
- ❖ حدود و تعزیر سے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو مالک سلطان اسلام یا اسلامی شوکت و غلبہ سے محروم ہیں وہاں شرعی احکام کی پامالی کرنیوالوں (مجرموں) پر تو یہ خالص یا پھر مسلمانوں کو ان سے شرعی انقطاع لازم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً)

بعض مصادیرِ اصول

اصول و قواعد فقہیہ کی مزید معلومات کے لئے مندرجہ ذیل مصادیر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ مفتی اپنے فرائض و ذمہ داری کو باحسن وجہ انجام دے سکے۔ بعض کتابوں کا ذکر اجمالاً یہاں ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ

اصول الکفری، تاسیس النظر، الاشباہ والنظائر، لابن نجیم، تنویر الابصار، خاتمہ مجامع الحقائق، غمز عیون البصائر، رسائل لابن عابدین، العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ اور

الاحکام العدلیہ کے بعض شمارے وغیرہ۔
 فتاویٰ رضویہ کا شمار اگرچہ عظیم ترین فتاویٰ میں ہے (جس کی بیش
 ضخیم جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں) لیکن مجدد اعظم امام اہلسنت فاضل
 بریلوی علیہ الرحمۃ الغنی نے اس میں جا بجا فقہی اور اصولی افادہ فرمایا ہے
 جس کے مطالعہ سے نہ صرف تربیت افتاء میں مصروف علماء کرام کے ذہن
 و فکر کی گرہیں کھلتی ہیں بلکہ انہیں مشاق و تجربہ کار مفتی بنانے کے لئے
 کافی و دافی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کے بعض اصول فقہیہ

فتاویٰ رضویہ وہ ضخیم اسلامک انسائیکلو پیڈیا ہے جس کی ہر جلد فقہی
 فوائد رسم المفتی اور دیگر فوائد اصولیہ سے ایسی مزین ہے کہ اگر ان کو جمع کیا
 جائے تو اصول فقہ کی ایک جامع اور ضخیم کتاب بن سکتی ہے لیکن میں حصول
 برکت کے لئے ان افادات فقہیہ میں سے بعض کو یہاں نقل کئے دیتا
 ہوں تاکہ افتاء کی تربیت حاصل کرنے والے حضرات علماء کرام ان سے
 مستفید و مستفیض ہو سکیں۔

کتب احادیث کی ترتیب

احادیث کریمہ میں باعتبار روایت سب سے معتبر صحاح پھر سنن پھر
 مسانید ہیں۔

- کتب صحاح: صحاح شیخین (بخاری و مسلم) منتقی ابن السکن، مختارہ
 مؤطا امام مالک اور صحیح ابن حبان بھی اسی سے متصل ہے۔
- کتب سنن: ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور اسی کے درجہ

میں مسند رویانی، شرح معانی الآثار، حج عیسیٰ بن ابان
بروایت امام محمد، اور کتاب الخراج لا امام ابی یوسف۔

○ کتب مسانید: مسند امام احمد، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی
ثیبہ، معجم کبیر طبرانی، معجم صغیر طبرانی، اوسط طبرانی۔
نفسی: مستدرک حاکم صحاح میں نہیں اور مسند الفردوس کتب المسانید
میں سے نہیں ہے۔

○ فقہ میں متون، شروح اور فتاویٰ کا حال وہی ہے جو حدیث میں صحاح
سنن اور مسانید کا ہے۔

○ کتب متون: مثلاً مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری
کنز الدقائق، وافی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، مختار،
معجم البحرین، مواہب الرحمن، ملتقی اور ایسی ہی دوسری
کتب ہیں جو نقل مذہب کے لئے لکھی گئیں۔ علمائے ہدایہ
کو متون سے شمار کیا ہے حالانکہ وہ صورتاً شرح ہے۔

کتب اصول کی وہ شرحیں جو تحقیق پر مبنی ہوں شروح میں داخل ہیں۔
○ کتب اصول: جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر
مبسوط امام سرخسی، بدائع ملک العلماء، تبیین الحقائق،
فتح القدیر، غنایہ، بنایہ، درایہ، کفایہ، نہایہ، حلیہ، غنیہ،
غایۃ البیان، البحر الرائق، النحر الرائق، درر احکام، در مختار،
جامع المصنعات، جوہر نیرہ، ایضاح وغیرہ۔

نفسی: اور مذکورہ اصول و شروح ہی میں داخل ہیں محققین کے وہ حواشی
جو مذکورہ کتابوں یا دیگر متون و شروح میں سے بعض پر لکھی گئیں، مثلاً

غنیۃ شرنبلالی، حواشی خیر الدین، رملی، رد المحتار (فتاویٰ شامی) منحة الخالق
فتاویٰ خیریۃ العقود الدریۃ۔

تنبیہ، مجتبیٰ، جامع الرموز، شرح ابی المکارم، سراج و ہاج اور شرح مسکین
وغیرہا کتب شروح میں داخل نہیں۔

○ کتب فتاویٰ: خانہ، خلاصہ، ہزازیہ، خزائنہ المفتیین، جواہر الفتاویٰ
محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں)، ذخیرہ، واقعات ناطفی
واقعات صدر الشہد، نوازل فقیہ، مجموع النوازل، ولوالجیۃ
ظہیریہ، عمدہ، کبریٰ، صغریٰ، تتمۃ الفتاویٰ، صیرفیہ، فصول
عمادی، فصول السروشنی، جامع صغار، تاتارخانیہ، ہندیہ
مینہ، رضویہ وغیرہا۔

ضروری معلومات

ذخیرہ مسند فتاویٰ ہے۔ اسی طرح فتاویٰ علامہ قاسم قطلوبغا بھی، بدائع
اور محیط بے نظیر کتب فقہیہ میں سے ہیں جن کا اعتبار آفتاب نیمروز کی طرح روشن
ہے۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحار، شرح
الہدایۃ، خلاصۃ الفتاویٰ، شرح نقایہ، فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری)، نہایت مفید
و معتبر کتابیں ہیں۔

قنیۃ، رحمانیہ، خزائنہ الروایات، مجمع البرکات اور برہان وغیرہا کتب کا
شمار بے تنقید و تنقیح کے نہ شروح میں ہے نہ فتاویٰ میں۔
در مختار اگرچہ معتبر کتاب ہے لیکن بغیر اس کے حواشی کے صرف اسی سے
فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

○ قاضی خاں صاحب تریح ہیں ان کی تصحیح دوسروں کی تصحیحات پر مقدم ہے۔

○ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی۔ ہاں اگر اس کے مطابق دوسرے نقول معتمدہ موجود ہوں تو وہ بھی مقبول ہوگی۔

○ فتح القدیر، طحاوی اور رد المحتار کتب معتمدہ ہیں۔

○ متون شروح پر شروح فتاویٰ پر مقدم ہے۔ متن و شروح میں تعارض ہو تو عمل متن پر ہوگا۔ (اسی طرح اگر کتب شروح و فتاویٰ میں تعارض ہو تو عمل شروح پر ہوگا)۔

○ متون: مذہب صحیح معتمد کے نقل کے لئے وضع کئے جاتے ہیں ملتقی الابحر متون معتمدہ فی المذہب سے ہے۔ ملتقی الابحر میں جو قول مقدم ہو وہی ارجح اور مختار الفتویٰ ہوتا ہے۔

○ امام قاضی خاں اسی قول کو مقدم کرتے ہیں جو اشہر، اظہر اور معتمد ہوتا ہے۔
○ قاضی خاں کی تریح اوروں پر مقدم ہوتی ہے۔ قاضی خاں کی تصحیح سے عدول جائز نہیں کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔

○ صاحب ہدایہ اکثر قول قوی کو مقدم کرتے ہیں۔ صاحب الہدایہ

امام جلیل من ائمة التخریج والترجیح یجوز تقلیدہ
العمل بما هو المختار فی المذہب وان کان قاضل خلافہ
اماماً کبیراً۔۔۔۔۔

○ صاحب محیط ائمہ تریح سے ہیں۔

○ امام (کمال الدین) ابن ہمام صاحب فتح القدیر لائق اجتہاد اور اصحاب تریح سے ہیں۔

- علامہ ابراہیم علی اس قول کو مقدم کرتے ہیں جو مؤید ہو۔
- صاحب البحر اصحاب ترجیح سے نہیں ہیں۔
- فتاویٰ ابن نجیم اور فتاویٰ الطوری پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے۔
- السراج الوہاج کا شمار نہ تو کتب اصول و شروع میں ہے اور نہ ہی لائق اعتماد ہے علماء نے اسے کتب ضعیفہ میں شمار کیا۔
- چلی محشی صدر الشریعہ اصحاب ترجیح سے نہیں ہیں۔
- امام طحاوی کے کچھ اختیارات مفردہ ہیں کہ تبرک مذہب ان پر عمل کے کچھ معنی نہیں۔
- امام اعظم کے ارشاد کے بعد امام ابو یوسف کا قول مرجح اور مقدم ہے پھر امام محمد کا۔
- فتویٰ طرغین (امام ابو یوسف و امام محمد کے قول پر ہوگا۔ ہاں اگر فتویٰ میں اختلاف ہو تو قول امام کی طرف رجوع لازم ہے جبکہ وہ اختلاف اختلاف زمانہ کی وجہ سے نہ ہو۔
- قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایات نادرہ کو ان کا مذہب بتانا غلط ہے اس پر عمل صحیح نہیں۔
- منقول فی المذہب قول کے خلاف کسی مجتہد کی بھی بحث مقبول نہیں۔ (تا اینکه اسباب ستہ میں سے کسی سبب کا وجود نہ پایا جائے)۔
- ضرورت داعیہ کی وجہ سے قاضی مذہب امام کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے اور مفتی قول امام کے خلاف فتویٰ دے سکتا ہے (عند وجود سبب من اسباب ستہ)۔
- اگر سلطان (جہاں سلطان نہیں ہے وہاں کے مرجع العلماء عالم دین) نے

قاضی کو مقرر کرتے وقت یہ اجازت دی ہو کہ وہ ضرورت کی بنا پر اپنے مذہب کے مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر فیصلہ کر سکتا ہے تو اس قاضی کا فیصلہ صحیح اور نافذ ہوگا۔

○ ضرورت کے وقت مرجوح و مجہول روایت کی تقلید دوسرے مذہب کی تقلید سے بہتر ہے (عند الضرورة تقلید "قیل" فی المذهب احسن من تقلید مذهب الغیر)۔

○ حتی الامکان کلمات ائمہ میں توفیق و تطبیق محمود ہے ورنہ قاعدہ طیبہ یہ ہے کہ "مما علیہ الاکثر من اثثة المذهب" پر عمل ہو۔

التمیز فی الافتاء

- علیہ الفتویٰ اور بہ یفتی فتویٰ کے الفاظ میں آکر ہیں۔
- لفظ "ناخذ" فتویٰ آکر الفاظ سے ہیں۔
- فارسی میں "بہیں ست روایت معمولہ" یہ جملہ اپنی قوت میں علیہ الفتویٰ اور بہ یفتی کے برابر ہے۔
- لفظ "فتویٰ" صحیح، اصح اور آتشہ وغیرہ الفاظ سے زیادہ مؤکد ہے۔
- لفظ "علیہ العمل" لفظ فتویٰ کے مساوی ہے۔
- لفظ صحیح و اصح دونوں قریب المعنی ہیں (الصحیح والاصح متقاربان)۔
- عرف فقہ میں لفظ جواز عموماً دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے بمعنی صحت جیسے عقود وغیرہ ہیں۔ اور بمعنی حلت افعال وغیرہ ہیں۔
- اخبار اگرچہ وجوب پر دلالت کرتے ہوں لیکن عموماً وہ استحباب کے لئے آتے ہیں۔ اور اس کا صیغہ امر سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے (صیغۃ الاخبار

اکدمن الامر)۔

○ صیغہ منفی صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔

○ صیغہ لا یفعل سے متبادر کراہیت تحریم ہوتی ہے اور یفعل مفید وجوب ہوتا ہے اور ”لا اصل لہا“ مقضی کراہت نہیں۔

○ شروح حدیث کی کتابوں میں جو مسئلہ کتب فقہیہ کے خلاف ہو وہ معتبر نہیں۔
○ جو حکم کتاب و سنت مشہورہ کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔

○ مذہب کے مفتی بہ قول کے مقابل بعض مشائخ کے قول پر اعتماد کرنا جہل اور خرق اجماع ہے۔

○ اگر روایات مذہب مختلف ہوں اور سب ظاہر الروایہ اور صحیح ہوں تو سب سے اہم کام منفع کا ادراک ہے۔

○ دوسرے مذہب کی تقلید اگر مشروط طور پر جائز ہو تو ضرورت کے وقت صرف اس پر عمل کیا جائے باقی رہا فتویٰ دینا۔ تو فتویٰ صرف مذہب کے قول

راجح پر دیا جائے گا (تقلید الغیر عند الضرورة وان جاز بشرطه فالعمل نفسه اما الافتاء فلا یکون الا بالراجح فی المذهب)۔

○ احکام فقہیہ میں واقعات کا لحاظ ہوتا ہے۔ احتمالات غیر واقعہ کا نہیں۔
○ جہاں چند روایات ہوں علماء کو ادھر جھکنا چاہئے جس میں مسلمان تسکین سے بچیں۔

○ اساطین امت (علماء ربانیین) کی عظمت اس میں ہے کہ عند الحاجة عوام کے لئے زہمت اور اپنے لئے عزیمت اختیار کرے۔

○ فتاویٰ کے مقابل شروح اور شروح کے مقابل متون جس طرح افتار میں مقدم ہوتے ہیں عمل میں بھی مقدم رہیں گے۔

- فقہاء کرام احکام میں نادر صورتوں کا لحاظ نہیں فرماتے ہیں۔
- اطلاق و عموم سے استدلال جائز ہے کہ یہ نہ تو قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص۔
- ”فعل“ جواز کی دلیل ہے لیکن ”عدم فعل“ ممانعت کی دلیل نہیں۔
- محتمل کو محکم کی طرف لوٹانا طریقہ معروفہ ہے۔
- صیغہ مجہول اکثر مشیر بہ ضعف ہوتا ہے۔
- جواز فعل کے لئے ”نہی شرعی“ کا نہ ہونا ہی سند کافی ہے۔
- نکرہ نفی کے تحت آئے تو عام اور اثبات میں آئے تو خاص ہوتا ہے۔
- جو عام ہو اس کو کوئی خاص نہیں کر سکتا اسی طرح جو مطلق ہو اُسے کوئی مقید نہیں کر سکتا۔
- مندوبیت کی نفی سے مکروہ (یا مکروہ تنزیہی) ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔
- جب بہ تصریح تعیم امر شرع واقع ہو تو جمیع ازمہ تحت امر داخل ہوتے ہیں۔
- دلالت بھی مثل صریح ہے مگر جب صریح اس کے خلاف ہو تو معتبر نہیں۔
- متبوع کے ساقط ہونے پر تابع خود بخود ساقط ہو جاتا ہے اور جب کوئی شے باطل ہو جائے تو اس کے ضمن کی تمام شے باطل ہو جاتی ہے۔
- عموماً جب کسی شے کو باطل کہا جاتا ہے تو اس کا معنی (سیبطل) ہوتا ہے۔
- دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل پر عمل کرنے ہی میں احتیاط ہے۔
- (الاحتیاط هو العمل بالقوی الدلیلین)۔
- شے اگرچہ مطلق ذکر کی جائے اپنے اسباب و شروط اور احکام و آثار پر خود ہی دلالت کرے گی۔
- نقل مجہول پر عمل و اعتماد نہیں کیا جائے گا اگرچہ ناقل ثقہ ہو ”لا یعتد

على النقل عن مجهول وان كان الناقل ثقة - (العلایا النبویہ)

بعض دیگر فوائد فقہیہ

- جن باتوں کا ذکر قرآن و حدیث میں نہ نکلے وہ ہرگز ممنوع نہیں بلکہ معافی میں ہے۔
- اختلاف علماء سے بچنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے۔
- قیاس و فقہ کی محجیت بھی ضروریات دین سے ہے۔
- اختلاف زمان و مکان سے احکام شرع بدلتے ہیں۔
- فتویٰ عرف و عادت پر ہوگا اگرچہ وہ ظاہر الروایت کے خلاف ہو۔
- عوام کے افعال سے سند جہالت ہے۔
- سوال کے اختلاف سے جواب میں اختلاف ہو سکتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہے۔
- تعامل سے وقف وغیرہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ (تعامل بھی دلائل شرع میں سے ایک ہے)
- حکم جب کسی علت سے ثابت ہو تو جب تک علت باقی رہے حکم باقی رہے گا۔
- اگر اباحت بوجہ ضرورت ہے تو جب ضرورت نہ رہے اباحت بھی نہیں رہتی۔
- مشقت جالب تیسیر (آسانی کا سبب) ہے اور ضرر شرعاً واجب الدفع ہے۔
- جو دو بلاؤں میں مبتلا ہو اُسے چاہئے کہ اُن میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔
- تحریری دلائل شرعیہ میں سے ہے۔ قول فاسق کے صدق پر اگر تحریری

واقع ہو تو وہ معتبر ہے۔

- گناہ و فسق مسقط و مانع ولایت نہیں۔
- جو حکم خلاف قیاس مانا جاتا ہے وہ مورد سے آگے تجاوز نہیں کر سکتا۔
- تکالیف شرعیہ قدر و وسع پر مقصود ہے۔
- حکم میں اگر مختلف صورتیں نکلتی ہوں تو مستولہ صورت کی وضاحت مفتی پر مناسب ہے۔

○ جب تک کسی خاص وقت کی ممانعت شرع سے ثابت نہ ہو منع و انکار حکم شرع کا رد و ابطال ہے۔

○ جس مسئلہ پر تمام بلاد میں عام مسلمین کے تعامل و افعال شاہد عدل ہوں وہ محتاج دلیل نہیں۔

○ جو تعامل کے خلاف دعویٰ کرے وہ اپنے دعویٰ پر دلیل لائے مجرّد حدو ث شرعاً دلیل منع نہیں۔

○ اہل باطل کا شعار اسی وقت تک قابل احتراز ہے جب تک ان کا شعار ہے۔ اگر ان سے رواج اٹھ گیا اور وہ امر فی نفسہ شرعاً جائز ہے تو اب اس کی ممانعت نہیں۔

○ بہت سے احکام نبیّت کے فرق سے بدل جاتے ہیں۔

○ اگر کوئی عالم غیر مجتہد کے قول کو بطور جزم لکھ جائے تو اس کی گرفت ہوگی۔

○ متون و شروح اور کتب فتاویٰ سے حوالے دیئے جاسکتے ہیں۔

○ تالیف قلوب کے لئے ”کبھی کبھی“ ترک افضل جائز ہے (بلکہ اس پر ثواب ملتا ہے)۔

○ دماء، فروج، مضار اور خباثت کے سوا تمام اشیاء میں اصل

اباحت ہے۔

○ جب تک دلیل قطعی آسانی سے ملے دلیل ظنی پر عمل جائز نہیں۔

○ رکن، شرط اور فرض میں فرق ہے جس کا ادراک مفتی کے لئے ضروری ہے۔

○ استفاضہ بمنزلہ خبر متواتر ہے۔

○ جو شے قطعی اور یقینی ہو وہ احتیاط کی محتاج نہیں۔

○ مجتہد اپنی خطا پر بھی ثواب پاتا ہے اگرچہ صواب کا ثواب دونا ہے۔

○ اقوال ائمہ میں تطبیق اولیٰ ہے ترجیح سے۔

○ ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل دینیہ سے ناواقف ہونا خود گناہ ہے

○ اسی لئے عالم کا گناہ ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دو گناہ ہے۔

○ نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دور نہیں ہوتی جبکہ منقول عنہ ایک ہو۔

○ فریقین کے بیان سُننا قاضی پر لازم ہے مفتی پر نہیں۔

○ ممکن کاثبات ونفی بغیر دلیل سمعی جائز نہیں۔

○ ہر فرض بقدر قدرت اور ہر حکم بشرط استطاعت ہوتا ہے۔

○ حدود و تعزیر و قصاص اعلم علماء بلد کے اختیار میں نہیں اس کے لئے

○ سلطان اسلام ہونا چاہئے۔

○ اگر مدعی کے گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق مدعی علیہ سے

○ قسم نہیں لی جائے گی۔

○ احد المعصیتین کا ارتکاب دوسری معصیت کو مباح نہیں کرتا۔

○ مامور بشیعیین سے اگر ایک فوت ہو جائے تو دوسری ساقط نہیں ہوتی۔

○ قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے۔

○ حرام و حلال کے مخلوط کا تناول اس لئے ناجائز ہو جاتا ہے کہ بوجہ اختلاف

اس کا تناول و تناول حرام سے خالی نہیں ہو سکتا۔
 ○ لڑکا بارہ اور لڑکی نو برس کی عمر میں بالغ ہو سکتی ہے اور دونوں کے لئے زیادہ سے زیادہ پندرہ برس ہے۔

افادات الفقهاء للافتاء والقضاء

ظن، علم

کسی حکم کے خلاف اگر احتمال صحیح کسی دلیل کی وجہ سے ہو اور دل اس کی طرف مائل ہو تو وہ ظن ہے اور اگر کسی حکم کے خلاف کا کوئی تصور نہ ہو تو وہ یقین ہے۔

○ اگر کسی حکم کے خلاف مضحک دلیل کی وجہ سے احتمال و امکان ہو اور دل بھی اس کی طرف نہ جھکے تو وہ ظن غالب ہے جس کو اکبر رائے سے تعبیر کیا جاتا ہے فقہ میں اسے بھی یقین کہتے ہیں۔

○ کسی حکم کے خلاف کسی دلیل کی وجہ سے احتمال صحیح ہو مگر دل اس کی طرف مائل نہ ہو تو وہ علم ہے۔

امر شرعی

جب کسی امر کو امر شرعی کہا جائے تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں مقبول فی الشرع، مطلوب فی الشرع۔

فتویٰ

فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: عرنی اور حقیقی۔

عرنی یہ ہے کہ بغیر دلیل کے جانے ہوئے محض تقلید کے طور پر امام کے اقوال لوگوں کو بتائے جائیں۔ فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزنی اور فتاویٰ خیر یہ وغیرہ اسی قبیل سے ہیں۔

حقیقی یہ ہے کہ تفصیلی دلائل کی معرفت کے بعد فتویٰ دیا جائے اور ایسے فتویٰ دینے والوں کو اصحابِ فتاویٰ کہا جاتا ہے مثلاً فقیہ ابو جعفر، اور فقیہ ابواللیث وغیرہما۔

قول

قول کی بھی دو قسمیں ہیں: قولِ صوری، قولِ ضروری۔

قولِ صوری وہ جو منقول قول ہو۔ اور قولِ ضروری وہ جو منقول نہ ہو بلکہ ضمناً آگیا ہو اور اس کا حکم ضرورتاً کیا گیا ہو۔ بسا اوقات حکمِ ضروری حکمِ صوری کے مخالف ہو سکتا ہے اور مخالفت کی صورت میں ضروری غالب ہوتا ہے، ایسے حالات میں اگر کوئی صوری کو اختیار کرے تو یہ مخالفت کہلانے لگی اور ضروری کا اتباع موافقت کہلانے لگا۔ ایسی صورت میں ضروری قول پر عمل قولِ صوری ہی پر عمل ہے۔

سنت واجب

جو عمل مواظبتِ مطلقہ یا احیاناً مع الترتیب سے ثابت ہو وہ سنت ہے۔

اور جو مواظبتِ دائمہ نیز ترکِ پر نکیر سے ثابت ہو وہ واجب ہے۔

اسامت

کراہتِ تحریمی اور کراہتِ تنزیہی کے درمیان اسامت ہے۔

- ترکِ اولیٰ میں حکم کراہت نہیں۔
- معصیتِ اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی لیکن مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے۔

ترتیب منکر

مکروہ تنزیہی سے اسامت بُری ہے۔ اسامت سے مکروہ تحریمی بدتر ہے، مکروہ تحریمی سے بُرا کبائر ہے۔ کبائر سے زیادہ بدتر بدعت و ضلال ہے، اس سے بدتر کفر ہے اور کفر اصلی سے بدتر ارتداد ہے۔

○ مُقَدَّمَةُ الْحَرَامِ حَرَامٌ علماء اصولیین کا مقولہ مسلمہ ہے۔ شرعِ مطہر جس چیز کو حرام فرماتی ہے اس کے مقدمہ اور دوائی (اسباب) کو بھی حرام بتاتی ہے۔

○ مکروہ تحریمی گناہِ صغیرہ ہے۔ مکروہ تنزیہی گناہ نہیں۔

کفر

افعال کیسے ہی شنیع و بدتر ہوں کفر کی شاعت کو نہیں پہنچ سکتے۔

○ کسی کلام میں ننانوے^{۹۹} احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو اس کے قائل پر حکم کفر نہ دیں گے۔

○ ضروریات دین میں سے کسی ضرورت دینی کا انکار کفر ہے اور اس انکار پر تاویل مسموع نہیں۔

○ کفر اصلی کی ایک قسم نصرانیت ہے اس سے بدتر مجوسیت ہے اس سے بدتر بت پرستی اس سے بدتر وہابیت اس سے زیادہ غبیث و بدتر دیوبندیت اور ان میں سب سے زیادہ خبیث و مردود قادیانیت و مرزائیت ہے۔

○ کسی ضروریات دین پر اگر نص قطعی نہ بھی ہو تب بھی اس کا منکر کافر ہے۔

○ مرتدین اور روافض و بابیہ کا اختلاف معتبر نہیں لہذا وہ قادیانہ نہیں۔

○ مرد کے ارتداد سے بالاجماع فوراً فسخ نکاح ہو جاتا ہے جبکہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا مگر شوہر کو اس سے قربت حرام ہو جاتی ہے جب تک اسلام نہ لائے۔

○ کسی بد مذہب مرتد (قادیانی دیوبندی و بابی وغیرہ) سے فتویٰ پوچھنا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

○ فعل گناہ پر کفر کا فتویٰ دینا جائز نہیں۔

حاکم شرع۔ قاضی اور مفتی

○ امیر شرعی کسی کے انتخاب پر منحصر نہیں بلکہ دیانت و فقاہت میں اس کا تفرّد و تفوّق ہی اسے متعین کرتا ہے۔

○ حاکم شرع (امین شریعت) امیر شریعت یا عالم علماء بلد کے ہاتھوں پر بیعت ہونا بھی ضروری نہیں۔

○ قاضی و مفتی کے فیصلوں اور فتوؤں کو حاکم شرع کے حضور چیلنج کیا جاسکتا ہے پھر اگر حاکم شرع چاہے تو ان فیصلوں اور فتوؤں کو بحال رکھے یا نظر ثانی کا حکم

دے یا ان فیصلوں اور فتوؤں کے خلاف حکم صادر کرے۔

○ حاکم شرع کے فیصلوں کو کسی بھی قاضی و مفتی کی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

○ قاضی شرع حاکم شرع کا نائب ہوتا ہے بالفاظ دیگر وہ نائب شرع ہوتا ہے۔

○ جہاں قاضی شرع سلطان اسلام یا حاکم شرع کی جانب سے مقرر نہ ہو

وہاں جو عالم دین تمام اہل شہر میں فقہ کا علم ہو وہ قاضی شرع یا حاکم شرع ہے۔

○ ایک ملک یا ایک آبادی میں درجنوں مفتی ہو سکتے ہیں عامۃ المسلمین

کو جس مفتی پر اعتماد ہو مسائل دینیہ میں اس کی طرف رجوع کرے۔

○ مفتی بہر صورت سوال کا جواب دیتا ہے واقعہ سے بحث اس کے فرائض

میں نہیں۔

○ مفتی بر تقدیر صدق مستفتی یا صورت مستفسرہ کے مطابق جواب دے گا۔

○ مفتی پر لازم ہے کہ وہ کسی کے ساتھ مراسم قدیم کو اظہار حق پر غالب نہ

آنے دے۔

○ مسئلہ شرعی میں قلت و کثرت رائے کو دخل نہیں۔

○ غلط فتویٰ کا ازالہ مفتی اور مصدقین سب پر فرض ہے۔

○ جو بے علم کے فتویٰ دیتا ہے زمین و آسمان کی مخلوق اس پر لعنت بھیجتی ہے۔

○ جو مفتی فتویٰ دیتے وقت اپنے علاقہ کے حال کو ملحوظ نہ رکھے وہ جاہل ہے۔

○ مفتی کا خود شقوق قائم کر کے ہر شق کا جواب دینا مصلحت شرعیہ

کے خلاف ہے۔

○ بغیر علم کے فتویٰ دینے والے بحکم حدیث ضال و مضل ہے۔

○ غلط مسئلہ بتانے والے قابل امامت نہیں۔

○ مذہب غیر کے نقل میں بارہا الغرضش ہو جاتی ہے (اس میں مفتی کو کمال احتیاط چاہئے۔

○ جو فتویٰ پر زیادہ جرأت کرتا ہے وہ آگ پر زیادہ جرأت کرتا ہے۔

○ اگر مفتی کو معلوم ہے کہ سائل نے غلط سوال کیا ہے تو اس کا جواب نہ دے۔

○ اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد مفتی کو جائز نہیں کہ وہ سائل کے

مفروضہ سوال کے مطابق جواب دے۔

○ مفتی کو چاہئے کہ وہ گول مول سوال کا جواب نہ دے۔ (جواب سے پہلے

سوال کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے)۔

○ بے تحقیق کسی مسئلہ کا جواب دینا حرام ہے۔

○ روایات شاذہ ساقطہ پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔

○ قول ضعیف پر فتویٰ دینا جہل اور مخالف اجماع ہے۔

○ منسوخ پر عمل جائز نہیں۔

○ حکم شرعی معلوم ہو جانے پر سوال کی صورت کو تبدیل کرنا مکروہ فریب ہے۔

○ فاسق تھنائے شرعی کے عہدے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

○ قاضی حجت شرعیہ کے ساتھ فیصلہ کرے گا جبکہ مفتی مجرد سوال کے

مطابق جواب دے گا۔

اصول متفرقہ

● ائمہ دین میں سے جب کوئی اپنے قول سے رجوع کر لے تو اب وہ قول

اُس کا قول نہ رہا اور نہ اس کی وجہ سے اس پر طعن روا ہے۔

● حوالانِ حول سے صرف قمری سال مراد ہوتا ہے۔

- زکوٰۃ صرف نصاب میں واقع ہوتی ہے عفو میں نہیں۔
- قومہ و جلسہ کے اذکار طویلہ نوافل پر محمول ہیں فرائض میں مسنون نہیں۔
- جو پایۂ اجتہاد نہ رکھتا ہو یا اسے کشف ولایت نہ ہو اس پر امام معین کی تقلید واجب ہے۔
- تعظیم و توہین کا مدار عرف پر ہوتا ہے۔
- کسی شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوگا بلکہ وہ شرط ہی کا عدم قرار پائے گی۔
- نکاح خوانی کے قاضی شرعاً قاضی نہیں ہوتے نہ انہیں کوئی اختیار حاصل ہوتا ہے۔ وہ تو اَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوْهُمَا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ کے قبیل سے ہیں۔
- تحریم دختر کے لئے مناطِ حرمت صرف وطی ہے (اس کے لئے نکاح محلال ہونے کی شرط نہیں)۔
- ایک فعل میں بہت سی نیتیں ہو سکتی ہیں اور سب پر ثواب مرتب ہو سکتا ہے۔
- تارک نماز کی تکفیر جہور کا مسلک نہیں یہی ائمہ اربعہ کا مجمع علیہ مذہب ہے۔
- متاخرین کے نزدیک روافض کو شیعہ کہا جاتا ہے۔
- جن احادیث میں مطلقاً جمع بین الصلوٰتین وارد ہے وہ سب کی سب جمع صوری پر محمول ہیں۔
- مسلمانوں کا کام حتی الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب ہے۔
- صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ مقبول و مسموع نہیں۔
- بغیر قرینہ کسی مطلق کو مقید نہیں کر سکتے۔
- مستقل مجتہد صدیوں سے مفقود ہے۔

● قاضی ابو یوسف علیہ الرحمہ کی جو روایت مذہبِ امام کے خلاف ہو وہ مسلم نہیں۔

● ائمہ اہلسنت میں اصولی مسائل کے اندر اختلاف نزاع لفظی کی حد تک رہتا ہے۔

● منت خواہ عرفی ہو یا اختراعی، شرعی نہیں ہوتی۔

● علماء دین کی توہین سے تجدیدِ اسلام و نکاح لازم ہو جاتا ہے۔

● وقتِ عشاء میں قولِ صاحبین کو دُر میں مفتی بہ کہا۔ لیکن جہاں کوئی سبب نہیں وہاں قولِ امام سے عدول جائز نہیں اور نہ قولِ صاحبین پر اعتماد جائز۔

● مبتدعین اُمتِ دعوت میں ہیں اُمتِ اجابت میں نہیں۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلٰی حَبِيْبِنَا
وَقَدْ وِتِنَا وَنَبِيِّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَجَزَائِهِمْ اَجْمَعِيْنَ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ